محمد جاد بک
ترجمہ: محمد ابراہیم فیضی

کام یاب ترین مصلح ﷺ

محمد جاد المولیٰ بک مصر کے بیسویں صدی کے اہم اہل قلم میں سے ہیں۔ ان کی اہم ترین کتاب المثل الکامل ہے۔ جس میں سیرت طیبہ کا بیان ایک مختلف اسلوب میں کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا کچھ حصہ اس سے قبل ان ہی صفحات میں پیش کیا جاچکا ہے۔ زیر نظر مضمون بھی اسی کتاب سے لیا گیا ہے، جس کا ترجمہ مولانا محمد ابراہیم فیضی کے قلم سے ہے۔ ادارہ

سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کا نور اس وقت جگمگایا جب گم راہی نے دلوں پر اپنا قبضہ مستحکم کرلیا تھا، سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں زنگ آلود تھیں، فتنہ وفساد برپا تھا اور سختیوں نے شدت اختیار کرلی تھی، اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی ولادت ایسے ہی ادوار میں ہوتی رہی جب ہر طرف جہالت کا راج ہوتا تھا، ان کی بعثت اس وقت ہوتی تھی جب گم راہی ہر طرف پنجے گاڑ چکی ہوتی، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تمام لوگوں کی طرف مبعوث فرمایا، تاکہ آپ انہیں گم راہی کے اندھیروں سے اسلام کی روشنی میں لائیں، اور ان کی صراط مستقیم کی طرف رہ نمائی فرمائیں، آپ نے اللہ کی راہ میں کوششوں کا حق ادا کردیا، مصائب برداشت کیے، مشکلات جھیلیں، حکمت کی راہوں پر سفر جاری رکھا، اپنی قوم کی عمدہ نصیحت اور بہترین دلائل سے رہ نمائی کی، یہاں تک کہ گم راہی مٹ کر رہ گئی اور واضح دلائل کے ساتھ حق نمایاں ہوگیا، آپ ﷺ نے لوگوں کی سیدھے راستے کی طرف رہ نمائی فرمائی، اور آپ نے اخلاقی، اجتماعی اور سیاسی طور پر حسب خواہش کام یابی حاصل کرلی، اور حربی طور پر فائز المرام رہے، **صلی اللہ علیہ و علی آلہ الامین و اصحابہ الغر المیامین۔**

ا۔ اجتماعی اور اخلاقی کام یابی

یقیناً عرب قوم جیسی قوم کی حالت بدلنا اور اسے حیاتِ نو دینا اور ان کے ذریعے دوسری قوموں کو حیات بخش نظام دینا، ان کے تمام احوال و امور میں تبدیلی لانا اور انہیں فساد، ابتری اور انارکی سے نکالنا، سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے انسان کے لیے جو یتیم پیدا ہوئے، فقر و فاقے میں نشو ونما پائی اور کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ نہیں کیا تھا، نہایت عجیب واقعہ ہے، یہ کارنامہ بڑی تیزی سے مختصر مدت میں انجام پایا، انسانیت کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی، یہ نہایت حیرت انگیز، عجیب واقعہ ہے، یہ تاریخی معجزہ ہے جس کی قیامت تک نظیر نہیں مل سکتی۔

ایسا آدمی جو یتیم پیدا ہوا مال و دولت نہیں رکھتا، علم اور علماء سے ناآشنا ہے، زمین کے ایسے گوشے میں قیام پذیر ہے جہاں کوئی نظام اور تمدن نہیں، ہر طرف بدنظمی اور بربریت ہے، خویش و اقارب جہالت، کفر اور بت پرستی میں مبتلا ہیں، وہ تن تنہا جہالت کو علم سے، افراتفری کو نظم و نسق سے، کفر کو ایمان سے، شرک کو توحید سے، تشبیہ کو تنزیہہ سے، تفرقے کو اتحاد سے، باہمی قطع تعلق کو الفت و محبت سے، ضعف کو قوت سے اور بدنظمی اور بے تدبیری کو تہذیب و تمدن سے بدل دیتا ہے۔ وہ ہر معاملے میں شیر دل، صاحب بصیرت آزمودہ کار قائد، قادر الکلام فصیح و بلیغ خطیب، بے بس کر دینے والا مبلغ، باکمال سیاستدان، سچی خبریں دینے والا باحکمت شارع، ماہر استاذ جو اپنی قوم کو ایسی خبروں سے آشنا فرما رہا تھا جن سے وہ لاعلم تھے اور جن کی طرف ان کی توجہ نہ تھی، متقی، پرہیز گار، زاہد و عابد، حلال سے متمتع ہونے والا، پاکیزہ چیزوں سے لذت گیر، رؤف، رحیم، ظالموں پر سخت، ادب و تہذیب میں یگانہ، نرم روی، جمال و کمال اور اعمال صالح میں یکتا، صحیح سچے ایمان کی مثال، اپنی امت اور پوری دنیا کے لوگوں کے لیے اخلاص کا پیکر، جن میں ہر صفت بہ بانگ دہل یہ اعلان کر رہی ہے کہ آپ انسانِ کامل ہیں۔ تمام روشن راستوں کے جامع ہیں، قومیں آپ کی رہ نمائی اور عطا کردہ روشنی سے راہِ ہدایت پاتی ہیں۔ آپ کی ذات ہر عمل میں قابل تقلید نمونہ ہے، ہر صفت، خُلق اور عمل میں صرف اور صرف آپ ہی کا طریقہ بہترین طریقہ ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (۱)

درحقیقت تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے۔

یہ باعث حیرت نہیں کہ آپ ﷺ نے اس امت کو حیات نو بخشی جس نے علم، حمیت، عزت و شرافت، صحیح تمدن، آزادی، اخوت اور دنیا کی تمام قوموں میں اس وقت مساوات کا علم لہرایا جب ہر طرف ابتری اور فساد کی فرماں روائی تھی۔ کفر، ظلم و استبداد، بدحالی اور جہالت شدت سے آپ کی بعثت کی محتاج تھی، آپ کی رسالت نے روئے زمین کی حالت بدل دی، قوموں کا نظام اصلاح پذیر ہوا، اور صرف چند سالوں میں لوگوں کی زبان، دین اور اخلاق آپ ﷺ کے رنگ میں رنگ گئے، یہ سب نہایت تیزی سے خرق عادت کے طور پر وجود میں آ گیا، حال آں کہ اس زمانے کے طاقت ور ملک اپنی عظمت، قوت، مال و دولت اور اقتدار کے باوجود اپنی رعایا کو اپنے دین، زبان اور اپنے عادات و اطوار کے رنگ میں نہ رنگ سکے۔ انہوں نے پوری کوشش، علم، مال و دولت اور اقتدار کو اس کام پر لگا دیا، مگر اس سے لوگوں میں نفرت، غصہ اور کینہ بڑھا۔ ان کی طویل عرصے کی کوششیں اور رعایا پر ہر طرح کا تسلط رعایا کی زندگیوں میں تبدیلی نہ لا سکا، سالہا سال کی محنت رائیگاں گئی، لیکن عرب مسلمانوں نے اپنی کم زوری کے باوجود یہ مقصد چند سالوں میں بہ طریق احسن حاصل کر لیا۔

سیدنا محمد ﷺ نے اس قوم کو زندہ کیا، دین اسلام لائے، آپ کی تعلیمات پر عمل پیرا اور آپ کے اقوال اور اعمال سے متاثر لوگ آج بھی اس دین سے محبت کرتے ہیں اور کروڑوں انسانوں کے دلوں پر اسی کا راج ہے، یہ کام یابی عون الٰہی اور مدد ربانی کے بغیر ناممکن تھی۔

تاریخ کسی ایسے مصلح کے تذکرہ سے خالی ہے جو حضور ﷺ پر گزرنے والے حالات جیسے حالات سے گزرا ہو جس کی قوم اَن پڑھ، بدوی عربوں پر مشتمل ہو اور پھر وہ حیرت انگیز تیزی سے عالمی سطح پر انسانوں پر اپنا اثر قائم کرنے میں کام یاب ہوا ہو، اور دنیا میں آج تک اس کے اثرات روزِ اول کی طرح باقی ہوں۔

آپ ﷺ کی بعثت کے بعد نبوت کا ہر مدعی خائب و خاسر ہوا، صرف آپ کے اعمال ہی تمام لوگوں کے لیے نمونۂ عمل قرار پائے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کو قیامت تک تمام قوموں میں حیرت انگیز نصرت، تیز ترین غلبے اور ششدر کرنے والی تاثیر سے نوازا۔

آپ ﷺ نے اہل عرب کی قلب ماہیت کر دی اور تیزی سے انہیں موت سے حیات جاوداں کی سمت لے آئے، آپ کا یہ کارنامہ عصا کے سانپ بننے، مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو شفا دینے اور مردوں کو زندہ کرنے سے زیادہ نتیجہ خیز ہے، کیوں کہ قوموں کو گم راہی کے اندھیروں سے

ایمان کے نور کی طرف لانا، جہالت کی موت، عرفانِ الٰہی کی حیات، خواہشات کا ترک اور عقل سلیم سے مخاطب ہونا، یہ امور مقام نبوت کے لیے زیادہ مناسب اور نبوت کے دعویٰ کے اثبات کے لیے نہایت طاقت ور حجت ہیں۔

سر ولیم میور اپنی کتاب ''سیرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' میں کہتا ہے، محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنی بات کی وضاحت اور اپنے دین کے آسان ہونے میں امتیازی مقام رکھتے ہیں، آپ نے ایسے کارنامے پایۂ تکمیل تک پہنچائے کہ عقل دنگ رہ گئے، تاریخ کسی ایسے مصلح سے ناواقف ہے جس نے مختصر مدت میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرح دلوں کو بیدار کیا ہو، اخلاق کو حیات نو بخشی ہو اور فضائل کو رفعتِ شان سے نوازا ہو۔

مکہ خصوصاً اور سرزمین عرب عموماً صدیوں تک جہالت اور گم راہی کے زیر اثر رہے، یہودیت اور عیسائیت کا اہل عرب اور ان کے اجتماعی حالات اور اخلاق پر صرف اتنا اثر تھا جتنا ٹھہرے ہوئے پانی میں معمولی کنکر پھینکنے سے ہوتا ہے۔ اس کا اثر پانی کی سطح کو حرکت میں لاتا ہے نہ یہ پانی کی گہرائی تک پہنچ پاتا ہے۔

اہل عرب رذائل کی تاریکیوں اور طرح طرح کی سنگ دلی اور بے رحمی میں مبتلا تھے، بڑا بیٹا اپنے باپ کی بیوی کا مالک ہوتا، خودداری اور غیرت اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ بچیوں کو زندہ دفن کر دیتے، بتوں کے عشاق اور پجاری تھے، اخروی زندگی اور اس کے ثواب وعذاب کے قائل نہ تھے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے تئیس سال کے عرصے میں مکے اور سرزمین عرب کو ہر قسم کے برے افعال اور قبائح سے پاک کر دیا، پھر لوگوں کی ایک جماعت آپ کی پیروی کرنے لگی انہوں نے بتوں کی عبادت ترک کر دی، اللہ کے مطیع ہو گئے، آپ کے رسول ہونے کی تصدیق کی، آپ پر نازل شدہ کتاب پر ایمان لائے، ان کے قلوب میں خشیت الٰہی نے گھر کر لیا، وہ اللہ کے عفو و درگزر اور فضل وکرم کے سائے میں آ گئے، ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر نیک کاموں میں حصہ لینے لگے، فضائل کے جویا اور عدل وانصاف کے علم بردار بنے، انہیں معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، اور وہ جب تک ثابت قدم رہیں گے، اللہ کی عنایت ان کے شامل حال رہے گی، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے سب پوشیدہ اور علانیہ احوال، اقوال اور اعمال سے باخبر ہے، اور کائنات میں ہر نعمت اور نشانی اللہ خلاق و وہاب ہی کی پیدا فرمودہ ہے، تمام چھوٹے بڑے امور اسی کے دستِ قدرت میں ہیں، وہ

جیسے چاہے ان میں تصرف فرماتا ہے اور یہ جدید دین (اسلام) ان پر اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے، ان پر لازم ہے کہ وہ اس کی حفاظت کریں، اس کے دفاع میں سرگرم رہیں۔ اور انہیں معلوم ہو گیا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے لیے سعادتوں کی بشارت لائے ہیں، ان کی امید گاہ ہیں اور آپ ان کو مصائب اور آلام سے نجات دلانے والے ہیں، سو وہ آپ کے مطیع فرمان ہو گئے۔

مختصر عرصے میں مکے میں دو گروہ بن گئے، کافر اور مؤمن

کفار کی اکثریت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دشمن رہی یہاں تک کہ مکہ فتح ہو گیا، اہل ایمان تعداد میں کم تھے، ہر قسم کی اذیتوں سے دوچار رہے، یہ مصائب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے دین سے ان کی محبت میں اضافہ کرتے رہے، آپ کی محبت میں انہوں نے اپنی سب سے عمدہ اور پسندیدہ چیز آباء و اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے عقائد کو ترک کر دیا، اپنا وطن چھوڑ کر پہلے حبشہ اور پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی، انہوں نے اپنے محبوب شہر مکہ کو چھوڑا جس میں بیت اللہ ہے، جو اللہ تعالیٰ کی محبوب ترین سرزمین ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں تشریف لائے، مدینہ میں اہل ایمان کو ٹھکانہ مل گیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین و انصار میں اخوت کا رشتہ قائم فرما دیا، اب وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے دین کے دفاع کے لیے مستعد اور تیار ہو گئے، اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے اپنی جانیں قربان کرنے لگے۔

یہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اثر تھا کہ اہل عرب جو کل تک قتل و غارت گری میں مشغول تھے، معمولی بات پر گردنیں اڑایا کرتے تھے، رشتۂ اخوت میں مضبوطی سے بندھ گئے، اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے جانیں لٹانے پر تیار ہو گئے، ان کے مسلم بھائی انہیں ہر چیز سے عزیز تر ہو گئے، بل کہ انصار نے مہاجرین کو اپنے اموال میں شریک ہو جانے کی دعوت دی حال آں کہ جان اور اولاد کے بعد مال ہی انسان کو سب سے زیادہ محبوب ہوتا ہے۔

اسلام سے قبل جن عربوں کی جہالت ضرب المثل تھی وہ تہذیب و تمدن کی ایسی بلندیوں پر جا پہنچے کہ وہ دنیا کے لیے علم و عرفان کے روشن مینار ہو گئے، کارلائل کہتا ہے:

عرب صحرائی بدو، صدیوں تک جنہیں کوئی اہمیت حاصل نہ تھی نبی عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد سے وہ علوم و عرفان کے قبلہ گاہ ٹھہرے، قلت کے بعد کثرت اور ذلت کے بعد عزت کے مالک بن گئے،

ایک صدی گزرنے سے پہلے دنیا کے تمام اطراف ان کی دانش مندی اور علوم سے جگمگا اٹھے۔

یہ وہی عرب تھے جنہوں نے عورتوں سے تمام حقوق چھین لیے تھے انہیں ان کے فطری مقام سے محروم کر دیا تھا، اسلام کے بعد وہ ان کے حقوق کے سب سے بڑے پاسبان بن گئے، استقامت اور تقوے کی بہترین مثال، اللہ کے حدود اور احکام کے محافظ، اوامر کے پابند اور نواہی سے مجتنب تھے۔ ایسی قوم جو گھٹیا کاموں میں اپنی کاوشیں صَرف کرتی تھی اسلام کے بعد ان کا مطمح نظر عظیم ہو گیا، ان کے مقاصد اعلیٰ ہو گئے، نیک عمل ان کے محبوب ٹھہرے، وہ عدل و انصاف کے حامی اور محبت و الفت کے علم بردار ہو گئے۔

چند سالوں میں یہ تبدیلی واقعتاً حیرت انگیز ہے، یوں لگتا ہے کہ آسمان کے فرشتے زمین پر اتر آئے اور انہوں نے عربوں کے دلوں میں پاکیزگی، ربط و تعلق اور محبت و الفت کی روح پھونک دی، انتقام و خون ریزی کے جذبات کو کچل دیا، بتوں کی پرستش سے ان کا رشتہ توڑ دیا، جوا، شراب نوشی اور دیگر برے افعال سے ان کے میلان کو ملیامیٹ کر دیا۔

تعدد ازواج کی حد بندی ہو گئی، سود بھولی بسری داستان بن گیا، بے کاری کی جگہ مصروفیت اور عمل نے سنبھال لی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آرزو پوری ہو گئی، آسمانی ملکوت زمین پر اُتر آئے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مثال بادل کی زوردار گرج کی سی تھی، جس نے گزشتہ ادوار کی پختہ برائیوں کا خاتمہ کر دیا، لوگوں کو گہری نیند سے بیدار کیا پھر انہیں شہریت اور تمدن کی رفعتوں تک پہنچا دیا، غور کریں جو لوگ پتھروں، حیوانات اور درختوں کی پوجا کرتے تھے، عقیدہ توحید نے انہیں واضح یقین اور قابل رشک عقل سے آراستہ کر دیا۔ دورِ جاہلیت میں بتوں کے پجاری عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جیسا شخص اسلام قبول کرنے کے بعد حجر اسود کے استلام کے وقت کہہ رہا ہے: تو پتھر ہے اگر میں نے یہ نہ دیکھا ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیرا بوسہ لیا، میں تیرا بوسہ نہ لیتا۔

سابقہ امتیں بچوں کی طرح تھیں، اسی لیے انبیائے کرام ان کی معمولی فہم و فراست کے مطابق احکام لائے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے وقت انسانیت عہد طفولیت سے نکل کر سن رشد تک پہنچ چکی تھی، اس لیے ان کے لیے وہ دلائل اور براہین ناکافی تھے جو گزشتہ ادوار میں ان کے لیے مناسب تھے۔ حیلہ گروں، فریب کاروں، جادوگروں اور شعبدہ بازوں کے کرتب انہیں بہت کم متاثر کرتے تھے، وہ صحیح طریقے سے ہدایت کے خواہش مند تھے، اسلام نے ان کی دست گیری کی اور اس نے

انہیں سابقہ مناہج سے الگ دینی منہج دیا، اپنے تمام احکام میں علمی اور عقلی دلائل کو رہ نما بنا دیا، اسلام کے تمام اصول اسی بنیاد پر استوار ہیں، امکانی حد تک حسی معجزات سے گریز کیا گیا، تا کہ مستقبل کے انسان کی عقل اس گھاٹی میں پھنس کر ترقی اور عروج سے محروم نہ رہے، ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۖۚ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾ (۲)

اور کسی رسول کی بھی یہ طاقت نہ تھی کہ اللہ کے اذن کے بغیر کوئی نشانی خود لا دکھاتا، ہر دور کے لیے ایک کتاب ہے۔ اللہ جو کچھ چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے، اُمّ الکتاب اسی کے پاس ہے۔

نبوت محمد یہ کے وقت انسان حسی معجزات کی قدر سے واقف تھا، اور جانتا تھا کہ حسی معجزے اور دعوائے نبوت میں کوئی تعلق اور نسبت نہیں، اور یہ بھی جانتا تھا کہ معجزات اور جادوگروں، شعبدہ بازوں کے کرتبوں، ماہرین فن کی فنکاریوں، ریاضتوں اور مجاہدات میں مشغول متصوفین وغیرہ کے حیرت انگیز کارناموں میں فرق کرنا آسان نہیں ہے، جیسا کہ کسی کا قول ہے کہ اگر قدیم روش کے مطابق لوگوں کو حسی معجزات سے مرعوب کر کے ایمان لانے پر مجبور کر دیا جاتا تو عقل کا ذرہ بھر عمل دخل نہ ہوتا، تمام امور پیچیدگی اور الجھاؤ کا شکار ہوتے، جس دلیل میں عقل کا معتد بہ حصہ نہ ہو وہ دلیل کم زور ترین دلیل ہوتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معجزات طلب کرنے والوں کا منشا آپ کو تکلیف میں ڈالنا، عاجز کرنا، ٹھٹھول اور مذاق اڑانا اور دشمنی ہوتا تھا، ورنہ ایسے دلائل اور نشان موجود تھے جو دلوں کی بیماری کے لیے شفا اور عقول کی گرانی کے سد باب کے لیے اکسیر تھے، ارشادِ الٰہی ہے:

اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ (۳)

اور کیا ان لوگوں کے لیے یہ (نشانی) کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل کی جو انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے؟ درحقیقت اس میں رحمت ہے اور نصیحت ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں سے جو حسی معجزات ظاہر فرمائے ان کا مقصد مذاق

اڑانے والے معاندین کو لاجواب کرنا اور کم زور ایمان والوں کو استقامت اور ثابت قدمی سے نوازنا تھا، ورنہ اپنے دعوائے نبوت کے ثبوت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکمل بھروسہ اور اعتماد شرف قرآن کریم پر تھا، قرآن کریم کی آیات میں غور کرنے والے پر یہ حقیقت خوب واضح ہوجاتی ہے کہ قرآن کریم ایسا معجزہ ہے جس کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دعوائے نبوت سے گہرا تعلق ہے، قرآن عقل کو علم وفہم کی بلندیاں عطا کرتا ہے جو بعد میں آنے والی نسلوں کے حالات کے لیے نہایت موزوں ہے۔ قرآن کریم انسانوں کے فکر ونظر کی راہ میں رکاوٹیں نہیں ڈالتا، ان کی معلومات اور ایجادات میں سدّ راہ نہیں بنتا، فریبیوں کی فریب کاریوں، حیلہ سازوں کے مکروفریب، قصہ گویوں کے جھوٹ، داستان گوؤں کے افترا اور وہم کے شکار لوگوں کے تخیلات سے اسے دور کا واسطہ نہیں، بل کہ قرآن کریم انسانوں کو سوچ بچار اور غور وفکر کی ترغیب دیتا ہے، انہیں بات کی تہہ تک پہنچنے، بحث وتمحیص، استدلال اور استنباط پر برانگیختہ اور تیار کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے عجائب وغرائب کا دور اختتام کو پہنچا، علم وعقل کا زمانہ آگیا، آپ کا دوران دو ادوار میں حد فاصل ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات بھی دونوں قسم کے تھے، سب سے جلیل القدر، عظیم اور ہمیشہ باقی رہنے والا معجزہ قرآن کریم ہے، یہ معجزہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے اور بعد میں آنے والے ہر زمانے کے لیے انتہائی موزوں ہے، دوسرا کوئی معجزہ اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

جس طرح معجزات کا دور اختتام پذیر ہوا، نبوت کا سلسلہ تکمیل کو پہنچا، اسی طرح کہانت کا دروازہ بھی بند کردیا گیا، گویا ابتدائی ادوار میں جب کہ بشریت عہد طفولیت میں تھی اللہ تعالیٰ ان کے حواس سے مخاطب ہوتا تھا، بشریت کے جوانی کے دور میں لوگوں کی بصارت سے زیادہ ان کی بصیرت کو مخاطب کیا گیا، کیوں کہ پہلے ادوار میں ان کا علم اور فہم وبصیرت نہایت کم زور تھے، وہ مفاہیم اور معنویات کے متحمل نہ تھے، اس لیے ان میں بہ کثرت انبیاء ورسل علیہم السلام تشریف لائے، جن کے معجزات اور نشانات ان لوگوں کی استعداد کے مطابق تھے، کیوں کہ والد اپنے کم سن اطفال سے زیادہ باتیں کرتا ہے، ان کی تادیب وتہذیب اور ترغیب وترہیب پر زیادہ توجہ دیتا ہے، اچھے کام پر انہیں مٹھائی، روپے پیسے اور کھلونے دیتا ہے، غلطی پر انہیں حسب ضرورت ڈانٹ ڈپٹ کرتا اور سزا دیتا ہے لیکن جب بچے بڑے ہوجاتے ہیں جوانی میں قدم رکھتے ہیں وہ ان چیزوں سے رک جاتا ہے، اب صرف نصیحت سے کام لیتا ہے، اپنے طویل تجربات سے انہیں آگاہ کرتا ہے، ان کی رہ نمائی کرتا ہے

اور انہیں اپنی عقلیں استعمال کر کے صحیح راستے کے انتخاب کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ اب وہ انہیں سزا دینے یا شاباش دینے سے دل چسپی نہیں رکھتا۔

اللہ تعالیٰ نے یہی کیا ہے: وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ اس کی صفت سب سے برتر ہے۔

انسان کے ہوشمند ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسے شریعت عامہ اور مستحکم اصول عطا فرمائے اور اس کے لیے شرعی حدود میں رہتے ہوئے اپنے عقل کی رہ نمائی میں اعمال کی آزادی بخشی، بنو اسرائیل وغیرہ سابقہ امتوں کو تمام امور میں ہر ہر جز سے آگاہ فرمایا گیا، اب قرآن کریم میں عمومی قواعد اور مستحکم اصولوں پر اکتفا کیا گیا ان قواعد اور اصولوں کی روشنی میں ہمارے لیے عقل کی رہ نمائی کافی ہے کہ ہم عہد طفولیت سے نکل کر ہوش مندی کی منزل تک پہنچ چکے ہیں۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے وحی اور معجزات کا دوازہ بند فرما دیا اور اپنی کتاب عزیز میں ہمیں صراحتاً باخبر فرما دیا، سواب کسی حیلہ جو، شعبدہ باز اور فریب کار کے لیے کسی کی عقل کو متاثر کرنے کا ادنیٰ سا ذریعہ بھی باقی نہ رہا۔ اس طرح بشری عقل کو اوہام، خرافات اور لغویات میں پڑنے سے نجات عطا فرما دی، اس کے سامنے علم کی راہیں کشادہ فرما دیں، صالح زندگی کے راستے واضح کر دیے، تا کہ کسی مومن کے دل میں شیطان کی دخل اندازی کے لیے کوئی رخنہ باقی نہ رہے، قرآن کریم نے صراحتاً فرما دیا کہ غیب کا علم اللہ ہی کو ہے، وہی عالم الغیب والشہادہ ہے، تمام امور اس کے دستِ قدرت میں ہیں، وہ حسب ارادہ ان میں تصرف فرماتا ہے، اس کے کسی بندے کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں ہے، اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْۗءُ ڔ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (۴)

ان سے کہیں کہ میں اپنی ذات کے لیے کسی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا، اللہ ہی جو کچھ چاہتا ہے وہ ہوتا ہے، اور اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں بہت سے فائدے اپنے لیے حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی نقصان نہ پہنچتا، میں تو محض ایک خبر دار کرنے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں اُن لوگوں کے لیے جو میری بات مانیں۔

قرآن کریم میں اس طرح کی کثیر مثالیں ہیں، غور وفکر سے تلاوت کرنے والے ان آیات سے

بہ خوبی واقف ہیں۔

قرونِ اُولیٰ میں عیسائیوں کے متعدد فرقوں پر نظر ڈالنے سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجتماعی کام یابی روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے، اس وقت دین کے تمام بنیادی اصولوں کے بارے میں لوگوں کے نظریات اور عقائد باہم متضاد اور مختلف تھے، بہ کثرت مذاہب تھے، کم عقلی کے باعث ان ادوار میں لوگ شرک میں مبتلا تھے، مجسموں، تصویروں اور مورتیوں کی عبادت میں مگن تھے، اگر کوئی مصلح اور مؤحد انہیں حق کی دعوت دیتا وہ اسے کافر اور دین سے منحرف قرار دیتے تھے، اس ظلم و زیادتی کے باعث بے شمار لوگ خاک و خون میں لوٹا دیے گئے، محبت اور یک جہتی کا دین بغض و افتراق کا دین بن گیا، اریوس توحید کا پیغام لے کر اٹھا، بعض بشپ اور شہنشاہ قسطنطین بہ ذات خود اسی عقیدہ کے قائل تھے، جرمن اقوام میں اسے خوب پذیرائی ملی لیکن اس دور کے جمہور لوگوں کا میلان شرک اور بت پرستی کی طرف تھا، چناں چہ ۳۲۵ء میں نیقیا کی کونسل کے اجلاس کے اکثر شرکا نے اسے ملحد اور دین سے منحرف قرار دے دیا، اس وقت سے اس کے ماننے والوں اور دیگر عیسائیوں میں برابر عداوت چلی آتی ہے۔

لوگوں میں تصویروں اور مورتیوں کی پرستش رائج ہو گئی، یہاں تک کہ وہ ان کی عبادت کا حصہ بن گئی، بعض لوگ جن میں حکم ران بھی شامل تھے جیسے لیون ثالث تھا انہوں نے اس رسم کو مٹانے کی جدوجہد کی، چناں چہ لیون ثالث کو مورت شکن کہا جاتا ہے، یہ آٹھویں اور نویں صدی کا واقعہ ہے، بشپ گریگوری ثانی اور ثالث نے ان لوگوں کی محرومی اور دین سے منحرف ہونے کا فتویٰ صادر کیا، قسطنطنیہ میں ۸۴۳ء میں کونسل کے اجلاس میں ان کے خلاف فیصلہ ہوا، مورتی پرست کام یاب رہے حال آں کہ ان کی کتابوں میں تصویریں بنانے، مجسمہ سازی، ان کی عبادت اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنانے کی سختی سے ممانعت تھی، اس سے عیسائیوں میں مزید انتشار پھیلا اور فرقے بنے۔

سولھویں صدی میں لوتھر نے پروٹسٹنیٹی تحریک چلائی تو عیسائیوں میں باہم جنگوں کی آگ بھڑکی جس میں ہزاروں بے قصور لوگوں کے خون سے زمین سرخ ہو گئی، اسی طرح ۱۵۷۲ء میں فرانس میں یہودیوں کو بے دردی سے موت کے گھاٹ اتارا گیا، عیسائیوں کے قدیم فرقوں میں سے بعض حضرت مریم العذراء کی پوجا کرتے تھے، عرب کے بعض عیسائی بھی اللہ کو چھوڑ کر حضرت مریم کو سجدہ کرتے تھے، ان سے مرادیں مانگتے، مشکلات میں ان کی پناہ طلب کرتے اور ان سے مدد کے خواست گار

ہوتے۔قرآن کریم نے انہیں اللہ کے ساتھ معبود بنانے سے منع فرمایا:

تَعَالَى اللهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ

اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ شریعت اسلامیہ نے تصاویر اور مجسمے بنانے سے سختی سے کیوں منع کیا ہے، اور یہ بھی واضح ہوا کہ دنیا کو اس وقت زبردست اصلاح کی ضرورت تھی جو اسلام کی شکل میں آ گئی، جس نے عملی طور پر ہر کام یاب اصلاح کو پیچھے چھوڑ دیا، اگر قرآن اللہ کی وحی نہ ہوتا تو کیا سیدنا محمد ﷺ اپنے عظیم مقصد میں کام یاب ہوجاتے، آپ پوری دنیا میں منفرد پیغام لائے جب کہ قومیں تصویروں اور مورتیوں کی پرستش میں غرق تھیں، آپ اپنی قوم، قبیلہ اور اہل کتاب سے کیوں متاثر نہ ہوئے، مسیحی مبلغین کا یہ دعویٰ کس قدر فریب پر مبنی ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ کو تعلیم دی، حال آں کہ آپ نے ان کی اصلاح فرمائی، انہیں اشخاص اور تصویروں کی عبادت سے منع فرمایا، اگر آپ ﷺ نے ان کے بڑوں سے تعلیم پائی تھی تو آپ نے عقیدۂ توحید اور اللہ تعالیٰ کی تقدیس کا عقیدہ کہاں سے حاصل کیا، حال آں کہ اس وقت معدودے چند آدمیوں کے سوا ساری دنیا میں لوگ شرک وبت پرستی میں مبتلا تھے، آپ نے کہاں سے جان لیا کہ یہی چند لوگ حق پر ہیں اور آپ کے خاندان اور قبیلے کی بھاری اکثریت غلطی پر ہے، آپ نے کب سیکھا تھا اس وقت جب آپ ابھی عہد طفولیت میں تھے؟ ابھی غور وفکر کرنے کا زمانہ نہیں آیا تھا؟ پھر سیدنا محمد ﷺ دنیا بھر کے اجتماعی معاملات کی اصلاح کے لیے خواہ وہ دینی ہوں یا دنیاوی، عملی طور پر کام یابی وکام رانی کے سب سے پہلے مصلح کیوں کر قرار پائے؟ لوگوں کے قلوب واذہان میں اس تاثیر اور غلبے کی روح پھونکنے کی تعلیم آپ ﷺ کو کس نے دی؟ کہ لوگ آپ کے اشارۂ ابرو پر سب کچھ قربان کرنے پر تیار ہو گئے، آپ کے حکم پر شہنشاہیاں جھک گئیں اور آپ کو ایسی کام یابی عطا ہوئی جو آپ سے قبل کسی پیغمبر اور مصلح کو نہیں ملی؟ اگر لوتھر وغیرہ عظیم مصلحین میں شمار ہو سکتے ہیں تو سیدنا محمد ﷺ بہ طریقِ اولیٰ مصلحین کے سرخیل ہیں، آپ کی تشریف آوری اس دور میں ہوئی جب ہر طرف بت پرستی کا دور دورہ تھا، آپ نے ان کی ہر طرح سے اصلاح فرمائی، لوگوں کے تمام معاملات کو درست نہج پر لائے، آپ دین حق اور توحید خالص کے نقیب بن کر آئے، روئے زمین پر تشریف لانے والے تمام پیغمبروں اور مصلحین سے بڑی عظمت وشان لائے، اسی لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۙ
وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (۵)

وہی ہے جس نے امیّوں کے اندر ایک رسول خود ان ہی میں سے اٹھایا جو انہیں اس کی آیات سناتا ان کی زندگی سنوارتا اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے، حال آں کہ اس سے پہلے وہ کھلی گم راہی میں پڑے ہوئے تھے، اور (اس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت) اُن دوسرے لوگوں کے لیے بھی ہے جو ابھی اُن سے نہیں ملے ہیں، اللہ زبردست اور حکیم ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (۶)

اور ہم نے تو تم کو دنیا والوں کے لیے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے۔

کسی حکومت میں یہ طاقت نہیں ہوتی کہ وہ غیر مشروط طور پر کسی علاقے کے لوگوں پر تسلط حاصل کر لے، جب کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت کی ابتدا مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کے بعد ہوئی، آپ نے امن و امان برقرار رکھنے اور لوگوں کو احکام کا پابند بنانے کے لیے دیگر حکومتوں کی طرح کسی قسم کی فورس سے مدد نہیں لی، اس کے باوجود جرائم ختم ہو گئے، اگر کسی نے پوشیدہ یا علانیہ کسی گناہ کا ارتکاب کر لیا تو اس نے بغیر تاخیر کے آپ کے روبرو اس کا اعتراف کر لیا، کیوں کہ اسلام نے ہر شخص کو خود اپنا نگران بنا دیا تھا۔

اس میں یہ راز پنہاں تھا کہ مسلمانوں کے دلوں میں خشیت الٰہی کا بسیرا تھا، ان کا ظاہر و باطن یک ساں تھا، مجرم خود اپنا سپاہی تھا، اس کے لیے حاکم کے احکام پر عمل کرنا نہایت آسان ہو گیا، متہم کو لیپا پوتی کی ضرورت تھی نہ منصف کو لمبی چوڑی بحث و تمحیص کی حاجت تھی۔

بلاشبہ جس شخصیت نے ایسی قوم تشکیل دی کہ گزشتہ فلاسفہ، مفکرین اور انبیائے علیہم السلام اس جیسی قوم کی تشکیل میں کام یاب نہ ہوئے وہ اس لائق ہیں کہ ان کے بارے میں کہا جائے کہ انہوں نے عظیم ترین کام یابی حاصل کی۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اس امت نے انفرادی، اجتماعی اور سیاسی طور پر ایسی برتری حاصل کی کہ تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

علم معاشرت اور عمرانیات کے ماہرین کہتے ہیں کہ کسی قوم یا قبیلے کی اس وقت تک مکمل اصلاح ناممکن ہے جب تک ان کے قلوب و اذہان مصلح کی محبت سے لب ریز نہ ہوں اور وہ اس کے احکام کی

بجا آوری میں دل وجان سے مصروف نہ ہوں، ظاہر ہے کہ مال یا طاقت بل کہ معجزات بھی دلوں کو مصلح کی محبت، احترام اور فرماں برداری پر آمادہ کرنے کے لیے کافی نہیں، یہ تین امور گزشتہ امتوں کی فطری اور روحانی ترقی میں ساتھ ساتھ رہے، لیکن سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال سے مدد لی نہ طاقت سے اور نہ ہی ان کے علاوہ کسی چیز سے، بل کہ آپ نے اپنی ذات سے ہر اس چیز کی نفی فرمادی جو کسی کے لیے ترغیب اور میلان کا سبب ہوسکتی تھی، قرآن کریم کی زبان میں آپ نے اعلان فرمایا:

لَّآ اَقُوۡلُ لَـكُمۡ عِنۡدِىۡ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعۡلَمُ الۡغَيۡبَ وَلَاۤ اَقُوۡلُ لَـكُمۡ اِنِّىۡ مَلَكٌ (۷)

ان سے کہیں میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، نہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔

اس کے باوجود آپ کا حکم مانا جاتا تھا، صحابہ کرام ہر لحہ آپ کی محبت میں اپنی جانیں، اولاد اور اموال نچھاور کرنے کو تیار رہتے تھے، ارشادِ الٰہی ہے:

قُلۡ اِنۡ كَانَ اٰبَآؤُكُمۡ وَاَبۡنَآؤُكُمۡ وَاِخۡوَانُكُمۡ وَاَزۡوَاجُكُمۡ وَعَشِيۡرَتُكُمۡ وَاَمۡوَالُ اۨقۡتَرَفۡتُمُوۡهَا وَتِجَارَةٌ تَخۡشَوۡنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرۡضَوۡنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَيۡكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَجِهَادٍ فِىۡ سَبِيۡلِهٖ فَتَرَبَّصُوۡا حَتّٰى يَاۡتِىَ اللّٰهُ بِاَمۡرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِيۡنَ ﴿۲۴﴾ (۸)

کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے باپ، اور تمہارے بیٹے، اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز واقارب، اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے اور تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے، اور اللہ فاسق لوگوں کی رہ نمائی نہیں کرتا۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کی نظر میں سب سے زیادہ محبوب تھے، انہوں نے آپ کی نصرت اور تائید میں اپنی جانیں اور ہر عمدہ چیز خرچ کردی، اس محبت اور نصرت کے بدلے کسی قسم کی دنیاوی غرض انہیں مطلوب نہ تھی، سو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انبیاء اور مصلحین میں سب سے زیادہ کام یاب وکام ران رہے جیسا کہ بعض مغربی مصنفین نے اس کا اقرار کیا ہے، یقیناً اس نادر کام یابی تک رسائی اسی کو زیبا

ہے جو روحانیت کے اعلیٰ مدارج تک رسائی رکھتا ہو۔

سیدنا محمد ﷺ کے صحابہ کا شعار یہ تھا کہ انہوں نے کہا ہم موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح یہ ہرگز نہیں کہیں گے کہ:

فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ ﴿۲۴﴾ (۹)

بس تم اور تمہارا رب دونوں جاؤ اور لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں۔

ان کا یہ قول تصنع یا ظاہر داری نہ تھی بل کہ صحابہ جو کہتے تھے وہی کرتے تھے، غزوۂ اُحد کا منظر دیکھیں رسول اللہ ﷺ پر زبردست حملہ کر دیا گیا آپ کے سامنے کے چار دانتوں میں سے دائیں جانب کا نچلا دانت ٹوٹ گیا، پیشانی اور رخسار زخمی ہو گئے اور خود کے دو حلقے آپ کی پیشانی میں گڑ گئے۔ حضرت ابوعبید رضی اللہ عنہ نے اپنے دو دانتوں کی قربانی دے کر خود کے دو حلقے نکالے، کافروں نے آپ پر پتھر برسائے جس کی وجہ سے آپ گڑھے میں گر گئے۔ دشمنوں نے آپ پر دھاوا بول دیا، وفا شعار صحابہ نے آپ کو اپنے حصار میں لے لیا، اپنے سینوں کو تیروں اور تیغوں کا ہدف بنالیا، یکے بعد دیگرے آپ کے دفاع میں جانیں لٹانے لگے، نہ صرف مرد بل کہ خواتین بھی تیغ بہ کف میدان میں آگئیں، حضرت عائشہ اور ام سلمہ وغیرہ رضی اللہ عنہما دشمن پر تیغوں سے حملہ آور ہوئیں، نبی اکرم ﷺ کو نرغے میں لینے والے پسپا ہو گئے، دشمن چھٹ گئے، رسول اللہ ﷺ کے صحابہ اپنا وعدہ نبھانے میں کام یاب رہے، ان کی قربانیاں ثمر بار ہوئیں، دین کی راہ میں انہوں نے نصرت اور وفا کے انمٹ نقوش چھوڑے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام میں نہ صرف میدان جنگ میں جاں نثاری کی روح پھونکی بل کہ قوی ترین دشمن یعنی بری عادات، ذلیل حرکات اور نامعقول و بے ہودہ عقائد کے مقابلے کے لیے انہیں تیار کیا، آپ ﷺ تمام تر ذمے داریوں کو بہ طریق احسن نبھانے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے، دن بھر مصروفیات اور رات کے وقت عبادت میں طویل بیداری آپ کا معمول رہا، ارشاد ربانی ہے:

يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ﴿۱﴾ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۲﴾ نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ﴿۳﴾ أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ﴿۴﴾ إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا ﴿۵﴾ إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْئًا وَأَقْوَمُ قِيلًا ﴿۶﴾ إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا ﴿۷﴾ (۱۰)

اے اوڑھ لپیٹ کر سونے والے، رات کو نماز میں کھڑے رہا کرو مگر کم، آدھی رات، یا اس سے کچھ کم کرلو، یا اس سے زیادہ بڑھادو، اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو، ہم آپ پر ایک بھاری کلام نازل کرنے والے ہیں، درحقیقت رات کا اٹھنا نفس پر قابو پانے کے لیے بہت کارگر اور قرآن ٹھیک پڑھنے کے لیے زیادہ موزوں ہے، دن کے اوقات میں تو آپ کے لیے بہت مصروفیات ہیں۔

ہجرت مدینہ کے بعد آپ کی مصروفیات میں کئی گنا اضافہ ہوگیا، پھر بھی آپ رفیق اعلیٰ کی طرف تشریف لے جانے تک برابر عبادت میں مشغول رہے، ہجرت کے دس سال بھی پورے نہ ہوئے تھے کہ تمام اطراف کے عرب قبائل آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر دین میں داخل ہونے لگے، مکہ اور مدینہ میں لگاتار وفود کی آمد ہونے لگی، ہر طرف اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا:

إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝١ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝٢ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝٣ (۱۱)

جب اللہ کی مدد آجائے اور فتح نصیب ہوجائے، اور تم دیکھ لو کہ لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہورہے ہیں تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو اور اس سے مغفرت کی دعا مانگو، بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

اس سورۃ کا نزول وحی کے تکمیل پذیر ہونے کی اطلاع دے رہا تھا، اس سورۃ کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا، جب کہ آپ ہزارہا صحابہ کے ساتھ حج کے لیے تشریف لے گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے میں اس سورۃ کا نزول آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کا اشارہ تھا، چناں چہ اس سورۃ کے نزول کے اسی روز بعد آپ خالق حقیقی سے جا ملے۔

۹ ذی الحجہ ۱۰ھ/ مطابق مارچ ۶۲۲ء کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منیٰ میں تھے، آپ کے اردگرد ایک لاکھ چالیس ہزار کے لگ بھگ مرد، عورتیں اور بچے موجود تھے، کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ (۱۲)

آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کردیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کردی ہے

اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کرلیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے اپنا مشہور خطبہ ارشاد فرمایا، آپ کے گرد تمام قبائل کے نمائندے موجود تھے، آپ نے فرمایا:

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں ہم اس کی حمد کرتے ہیں، اسی سے مغفرت طلب کرتے ہیں اور اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں، ہم اپنے نفسوں کے شرور اور اپنے اعمال کی برائی سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گم راہ نہیں کرسکتا اور جسے وہ گم راہ کردے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

اللہ کے بندو! میں تمہیں اللہ سے ڈرنے اور اس کی اطاعت کا حکم دیتا ہوں اور خیر سے مدد مانگتا ہوں، اما بعد! لوگو میری بات غور سے سنو، مجھے معلوم نہیں شاید اس سال کے بعد اس مقام پر میری تم سے ملاقات نہ ہو، لوگو! تمہارے خون اور تمہارے اموال ایک دوسرے پر اپنے رب سے ملنے تک اسی طرح قابل احترام ہیں جس طرح تمہارے لیے یہ دن، اس مہینے اور اس شہر میں قابل احترام ہے، کیا میں نے تمہیں احکام پہنچا دیے ہیں؟ اے اللہ! گواہ رہنا۔ جس کے پاس کسی کی امانت ہو، وہ امانت رکھنے والے کو واپس کرے۔ اور جاہلیت کے زمانے کا ہر سود ساقط کردیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کا سود ساقط کرتا ہوں، دورِ جاہلیت کے خون کے تمام دعوے کالعدم ہیں، میں سب سے پہلے عامر بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کے خون کا دعویٰ کالعدم کرتا ہوں۔ کعبے کی خدمت (سدانہ) اور حجاج کو پانی پلانے کی خدمت کے علاوہ تمام موروثی مناصب ختم کردیے گئے۔ قتل عمد پر قصاص اور شبہ عمد میں جو لاٹھی اور پتھر سے ہو سو اونٹ خون بہا ہے، جس نے اس میں اضافہ کیا وہ اہل جاہلیت میں سے ہے۔

لوگو! شیطان اس بات سے مایوس ہوچکا ہے کہ اب تمہاری سرزمین میں کبھی اس کی پرستش کی جائے گی، لیکن اگر اس کی اطاعت کی جائے گی تو وہ تمہارے ان اعمال سے جنہیں تم حقیر سمجھتے ہو، راضی ہوجائے گا۔

لوگو! اِنَّمَا النَّسِیۡٓءُ زِیَادَۃٌ فِی الۡکُفۡرِ یُضَلُّ بِهِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یُحِلُّوۡنَهٗ عَامًا وَّیُحَرِّمُوۡنَهٗ عَامًا لِّیُوَاطِـُٔوۡا عِدَّۃَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ (۱۳)

نسی تو کفر میں ایک مزید کافرانہ حرکت ہے جس سے یہ کافر لوگ گم راہی میں مبتلا کیے جاتے ہیں، کسی سال ایک مہینے کو حلال کر لیتے ہیں اور کسی سال اُس کو حرام کر دیتے ہیں تا کہ اللہ کے حرام کیے ہوئے مہینوں کی تعداد بھی پوری کر دیں۔

سنو! زمانہ گھوم پھر کر اپنی اس دن کی ہیئت پر پہنچ گیا ہے جس دن اللہ نے زمین و آسمانوں کو پیدا کیا تھا، اس میں چار مہینے حرمت والے ہیں، تین پے در پے یعنی ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم اور ایک اکیلا ہے، وہ رجب ہے، جو جمادی الآخر اور شعبان کے درمیان ہے، بتاؤ! کیا میں نے بات پہنچادی ہیں؟ اے اللہ گواہ رہنا۔

لوگو! تمہاری عورتوں کا تم پر حق ہے اور تمہارا ان پر حق ہے، وہ تمہارے بستر پر کسی غیر کو نہ آنے دیں اور کسی ایسے شخص کو جسے تم ناپسند کرتے ہو تمہارے گھر میں داخل نہ ہونے دیں اور کسی برائی کا ارتکاب نہ کریں، اگر وہ ایسا کریں تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں اجازت دی ہے تم انہیں ان کے بستروں میں (الگ) چھوڑ دو، اور انہیں ہلکی مار لگا سکتے ہو، پھر اگر وہ باز آ جائیں اور تمہاری فرماں برداری کریں تو تم ان کے خورد ونوش اور لباس کا معقول انتظام کرو۔ عورتیں تمہارے زیر دست ہیں وہ کسی چیز کی مالک نہیں، تم نے انہیں اللہ کی امانت کے طور پر لیا ہے اور ان کے ستر کو اللہ کے کلمات کے ساتھ حلال کیا ہے، عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو اور ان کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرو۔

لوگو! اہل ایمان بھائی بھائی ہیں، کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی کی رضامندی کے بغیر اس کے مال سے کچھ لے، کیا میں نے بات پہنچا دیں؟ اے اللہ! گواہ رہنا۔ میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو، میں تمہارے پاس ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں اگر تم ان سے منسلک رہے تو کبھی گم راہ نہ ہوگے، اللہ کی کتاب اور میرے اہل بیت، کیا میں نے پیغام پہنچا دیا؟ اے اللہ! گواہ رہنا۔

لوگو! تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے، تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم (علیہ السلام) مٹی سے پیدا کیے گئے، اللہ کے نزدیک زیادہ عزت والا زیادہ تقویٰ والا ہے، کیا میں نے بات پہنچا دی؟ لوگوں نے جواب دیا: جی ہاں، آپ نے فرمایا: جو شخص موجود ہے وہ غیر موجود تک میری باتیں پہنچا دے۔

لوگو! اللہ تعالیٰ نے میراث میں ہر وارث کا حصہ مقرر فرما دیا ہے، کسی شخص کے لیے یہ جائز

نہیں کہ وہ اپنے وارث کے لیے ایک تہائی سے زائد کی وصیت کرے، بچہ بستر والے (شوہر) کا ہے اور بدکار کے لیے پتھر ہیں، جس کسی نے اپنے آپ کو اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کیا یا اپنے مالک کے علاوہ کسی دوسرے مالک سے منسوب کیا اس پر اللہ، اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو، اللہ تعالیٰ اس سے کوئی بدلہ اور مال قبول نہیں فرمائے گا۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ اب بہ کثرت مغربی ملکوں کے باشندوں نے رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے پیغام کی حقانیت کو تسلیم کیا ہے، بعض نے کھلے دل سے اسلام قبول کیا ہے، حال آں کہ قبل ازیں وہ آپ ﷺ کو (نعوذ باللہ) بہت بڑا جھوٹا اور فریب کار جانتے تھے کیوں کہ عیسائیت پر گزرنے والے گزشتہ تاریک دور میں ان کے مذہبی پیشوا رسول اللہ ﷺ پر یہ بہتان لگایا کرتے تھے کہ اللہ کے سوا کسی کی پرستش نہ کرنے والے مسلمان سیدنا محمد ﷺ کے پاس موجود بت کی پوجا کرتے ہیں، اسی کے لیے پانچ وقت عبادت کرتے اور ہر نشیب اور بلندی پر اسی کے نام کی جے پکارتے ہیں، اور ہر سال رمضان کے مہینے میں اسی کے لیے روزے رکھتے ہیں۔

بلا شبہ جھوٹے مدعیان نبوت اپنے اعمال سے پہچانے جاتے ہیں جیسا کہ مسیح علیہ السلام نے فرمایا:

شریر خیر اور تمام لوگوں کے لے اصلاح کا پیغام نہیں لائے گا اور اللہ تعالیٰ جھوٹے، فریب کاروں اور لوگوں کو گم راہ کرنے والوں کی مدد نہیں فرماتا۔ (۱۴)

جب کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کی مدد و اعانت فرمائی، آپ نے جس حیرت انگیز سرعت سے یہ عظیم کام یابی حاصل کی اس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔

ایک شخص اللہ کا نام لے کر اٹھا، لوگوں کو اللہ کے نام کی طرف بلایا، اس کا ہر قول اور عمل اللہ کے نام پر تھا، اس نے اپنا ہر عمل اللہ کی طرف منسوب کیا، اللہ نے کسی مقام پر ایسے رسوا کیا نہ اس کی تکذیب کی، نہ ہی کذابوں کی طرح اسے ہلاک فرمایا، بل کہ اسے ثابت قدمی عطا فرمائی، اس کی اعانت کی، اسے تقویت بخشی، نصرت سے نوازا، اس کو تمام مساعی اور مقاصد میں کام یاب و کام ران فرمایا، اس کی بتائی ہوئی ہر خبر کو سچا کیا، اس کے ذکر کو بالا کیا، اسے رفعت شان سے نوازا، حتیٰ کہ دنیا کے کونے کونے میں کثیر انسانوں کی زبان پر اللہ کے نام کے ساتھ اس کا نام لیا جاتا ہے کیا ایسے عظیم

انسان کو جھوٹا قرار دینا عقل میں آنے والی بات ہے۔

جب ہم عظیم بادشاہوں، ماہر سیاستدانوں، پختہ رائے رہ نماؤں، خطبا، بلغا بڑے بڑے انشا پردازوں، باکمال ماہرین فن، عظیم قانون سازوں، دانش وروں، سامعین کو بے خود کرنے والے واعظوں، انبیائے کرام، مصلحین، بڑی بڑی سلطنتوں کے بانیوں پر نظر ڈالتے ہیں تو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے بڑے حکم ران، عظیم سیاسی رہ نما، اوج کمال تک رسائی رکھنے والے واعظ و مربی، ماہر قانون ساز، عظیم جرأت مند قائد، غازی اور فاتح، دین داری اور پرہیز گاری میں بے مثال، بے نظیر ناصح، تمام دینی اور دنیاوی معاملات میں لوگوں کے ہادی، افکار، اخلاق، عقائد، عبادات اور معاملات میں عظیم ترین مصلح، وسیع النظر مؤسس اور دیر پا ریاستوں اور ممالک کے بانی نظر آتے ہیں، حال آں کہ آپ نے مخلوق سے اتنی تعلیم بھی حاصل نہیں کی جس کی مدد سے آپ اپنے چاروں طرف پھیلے ہوئے اوہام اور خرافات میں ذرہ بھر کمی کر سکتے، آپ نے کسی سے تربیت لی نہ جدوجہد کی نہ ہی قبل از نبوت کسی ایسی چیز کی مشق کی جو بعد از نبوت آپ کے کام آتی، بل کہ جوں ہی آپ نبوت سے سرفراز ہوئے تمام کمالات سے آپ کو فوراً نواز دیا گیا، جوں ہی کوئی مشکل پیش آئی فوراً اس کا بہترین حل آپ کے سامنے آ گیا، امی ہونے کے باوصف علم کی یہ فراوانی، بت پرستوں کے شہر اور ملک میں نشوونما پانے والا ہر نظام اور تمدن سے دور رہنے والا اور اتنا عظیم مصلح؟

کفاک بالعلم فی الامی معجزۃ
فی الجاھلیۃ و التادیب فی الیتم

بار الہا! یقیناً یہ تیری تائید، نصرت اور وحی کا نتیجہ تھا، تو پاک ہے، اگر تیری مدد شامل نہ ہوتی تو ایک آدمی کو سدھارنا اور ایک شہر کو فتح کرنا ممکن نہ تھا۔ ہم مغربی سلطنتوں کو دیکھتے ہیں وہ اپنی تمام تر قوت و شوکت، علوم وفنون، ایجادات و اختراعات بحری جنگی جہازوں، فضائی بیڑوں، مال و دولت، سونے چاندی کے ڈھیروں، تعلیمی اداروں، ہسپتالوں تمام دھوکے فریبوں کے باوجود تیرے دین کے مقابلے سے عاجز ہیں۔ تیرے دین کی طرف بہ کثرت آنے والی پیاسی روحوں کے آگے بند باندھنے میں ناکام ہیں، پوری دنیا سے ہر مذہب وملت کے ماننے والوں کے قلوب واذہان کو تیرے دین کی طرف میلان سے روکنا ان کے بس میں نہیں رہا، دوسرے مذاہب کے داعی یکجا ہو کر حیرت زدہ ہو کر مقابلے میں آ گئے ہیں وہ اللہ کے نور کو پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ اپنے نور کو پورا

فرمانے والا ہے اگرچہ کافر برا سمجھیں:

هُوَ الَّذِيٓ أَرْسَلَ رَسُولَهُۥ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُۥ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِۦ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿٣٣﴾ (۱۵)

وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے، تاکہ اسے تمام دینوں پر غالب کردے خواہ مشرکوں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔

ب: سیاسی کام یابی

۱۔ اذیتیں برداشت کرنا اور اُنس ومحبت کا برتاؤ کرنا

شروع ہی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے یکسو رہتے تھے، اپنے رب کی عبادت میں مشغول رہتے اور واحد و دیان رب کی تخلیقات میں غور وفکر کرتے رہتے، جب آپ کی عمر چالیس برس ہوئی حجابات اٹھ گئے، نورانی شعلہ ضیا بار ہوا، رفیع الشان مقام سے وحی نازل ہوئی، الہام الٰہی نے حقیقت کا روپ دھار لیا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت ورسالت کے لیے منتخب فرمالیا، اور آپ کو اپنی قوم اور تمام لوگوں کی ہدایت کا طریقہ تعلیم فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب حکم الٰہی اعلان نبوت فرمایا اور اللہ کا نازل فرمودہ پیغام پہنچایا، لوگوں کو خفیہ طور پر اپنے رب کی عبادت کی دعوت دی، تاکہ لوگ اچانک اس حیرت انگیز پیغام سے بدک نہ جائیں، سو بہت سے مردوں، عورتوں، بچوں، معززین اور غلاموں نے اسلام قبول کرلیا، آپ کے پاس اسلحہ کی طاقت تھی نہ ترغیب کے ذرائع، جس سے معززین اپنے آباواجداد کو چھوڑ کر خاک نشین ہوکر آپ کی اتباع کرتے، اپنے خاندان کی اہانت برداشت کرتے، جب کہ مسلمان ہونے والوں میں سے اکثر حضرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ دولت منداور مال دار تھے لیکن دین حق جس دل میں جاگزین ہوا اور جس عقل میں چمکا اسے ماسوا سے غافل بنادیا۔

جب لوگ اس دعوت سے مانوس ہوگئے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق علانیہ تبلیغ کا حکم ہوا:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ﴿٩٤﴾ (۱۶)

آپ کو جس چیز کا حکم ہوا اسے برملا کہہ دیں اور مشرکین کی پروا نہ کریں۔

وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴿٢١٤﴾ (۱۷)

اور اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈرائیں۔

اللہ کے داعی نے اس حکم پر لبیک کہا، دعوت کا خفیہ سلسلہ موقوف ہوا، وعظ ونصیحت، تبلیغ وارشاد کا میدان سج گیا۔

ایک روز آپ نے کوہِ صفا پر چڑھ کر آواز دی ''یا صباحاہ'' قریش جمع ہو گئے، پوچھا: کیا ہوا؟ ارشاد فرمایا: اگر میں تمھیں یہ خبر دوں کہ تمہارا دشمن صبح یا شام کو تم پر حملہ آور ہونے والا ہے تو کیا تم میری بات کی تصدیق کرو گے؟ وہ بولے: ہاں، آپ نے فرمایا: سنو! میں ایک سخت عذاب سے پہلے تمھیں متنبہ کرنے والا ہوں، ابولہب نے کہا: تیرا ناس ہو، کیا تو نے ہمیں اسی لیے بلایا تھا؟ اللہ تعالیٰ کی وحی نازل ہوئی:

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝۱ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝۲ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝۳ وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝۴ (۱۸)

ٹوٹ گئے ابولہب کے ہاتھ اور نامراد ہو گیا وہ، اس کا مال اور جو کچھ اس نے کمایا وہ اس کے کسی کے کام نہ آیا، ضرور وہ شعلہ زن آگ میں ڈالا جائے گا اور (اُس کے ساتھ) اُس کی جورُو بھی، لگائی بجھائی کرنے والی، اُس کی گردن میں مونجھ کی رسی ہوگی۔

آپ ﷺ لوگوں کو اللہ واحد کی عبادت، بتوں کی پرستش سے اجتناب، برائیوں سے پہلو تہی اور حرام امور کو ترک کرنے کا حکم فرماتے، پوری دل جمعی، ثابت قدمی، یقین راسخ اور حکیمانہ تدبیر سے آپ ﷺ شب وروز تبلیغ میں مصروف رہے، بعض کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت یاب فرمادیا اور بعض گم راہی کی اتھاہ گہرائیوں میں اترتے چلے گئے، اس راہ میں آپ کو ناقابل بیان تکالیف سے واسطہ پڑا، خصوصاً جب آپ بیت اللہ میں نماز کے لیے جاتے یہ اذیتیں دو چند ہو جایا کرتیں۔ ایک مرتبہ ابوجہل عمرو بن ہشام بن مغیرہ مخزومی قریشی نے کہا، قریش کے لوگو! محمد (ﷺ) تمہارے معبودوں کو برا کہتے ہیں، تمہارے دانش مندوں کو احمق قرار دیتے ہیں اور تمہارے آباؤ اجداد کی برائی کرتے ہیں، میرا اللہ سے وعدہ ہے کل میں اس کے لیے نہایت بھاری پتھر لے کر بیٹھوں گا، جب یہ اپنی نماز میں سجدہ کرے گا میں اس بھاری پتھر سے اس کا سر کچل دوں گا، اس کے بعد تمہاری مرضی مجھے عبد مناف کے خاندان کے حوالے کر دو یا ان سے میرا دفاع کرو، بنو عبد مناف کا جو جی چاہے کریں، صبح کو اس نے بھاری پتھر لیا، رسول اللہ ﷺ کی آمد کا منتظر رہا، حضور حسب معمول صبح کے وقت نماز کے لیے بیت

اللہ میں تشریف لائے، قریش اپنی اپنی مجالس میں ابوجہل کی کارروائی کے انتظار میں تھے، جب رسول اللہ ﷺ نے سجدہ کیا، ابوجہل پتھر اٹھا کر آپ کی طرف بڑھا، جب آپ کے قریب پہنچا گھبراہٹ سے اس کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا، الٹے پاؤں واپس پلٹا، پتھر ہاتھوں سے چھوٹ گیا، قریش کے چند لوگوں نے جا کر پوچھا: ابوالحکم! کیا ہوا؟ کہنے لگا میں نے تم سے جو کچھ کہا تھا وہی کرنے کے لیے اس کی طرف گیا، جب میں قریب پہنچا ایک لحیم شحیم اونٹ میری طرف بڑھا، میں نے زندگی میں ایسا طاقت ور اونٹ نہیں دیکھا، وہ مجھے چبانا چاہتا تھا، جب رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس کا تذکرہ ہوا آپ نے فرمایا: یہ جبریل تھے اگر ابوجہل میرے قریب آتا جبریل اسے پکڑ لیتا۔

رسول اللہ ﷺ کو ایذائیں پہنچانے میں ابوجہل ہمیشہ پیش پیش رہا لیکن حضور ﷺ اپنی دعوت کی تبلیغ اور مشن کی تکمیل میں مصروف رہے یہاں تک کہ حق نے باطل کو پچھاڑ دیا، یقیناً باطل مٹنے ہی کے لیے ہوتا ہے۔ یہ سب چار سال کے عرصے میں ہوا، اعلانِ نبوت کے پانچویں سال میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو حبشہ کی جانب ہجرت کا حکم دیا تاکہ وہ تکالیف اور دکھوں سے نجات پائیں، خصوصاً جن مسلمانوں کو اپنے خاندان اور قبیلے کی حمایت اور تحفظ حاصل نہ تھا ان کے لیے دو چند اذیتیں تھیں۔ مسلمان اپنا دین بچانے کے لیے حبشہ چلے گئے، یہ مکی مسلمانوں کی پہلی ہجرت تھی، اس میں دس مرد اور پانچ خواتین شامل تھیں۔ اس وقت تک مسلمانوں کی تعداد پچاس سے زائد نہ تھی، جب قریش نے آپ کے پیغام کو روز افزوں اور قبائل میں اسلام پھیلتے ہوئے دیکھا تو وہ آپ کے قتل پر آمادہ ہو گئے۔ آپ اپنے چچا ابوطالب اور بنو ہاشم کے ساتھ گھاٹی میں چلے گئے، قریش غصے سے بے قابو ہو گئے، انہوں نے ہر قسم کا لین دین اور غلے کی فراہمی بند کر دی، ان کا ایک ہی مطالبہ تھا محمد (ﷺ) کو قتل کرنے کے لیے ہمارے حوالے کر دو، ہمارا تمہارا جھگڑا ختم ہو جائے گا، یہ معاہدہ لکھ کر کعبے کے اندر لٹکا دیا، شعب (گھاٹی) میں داخلے کے وقت آپ نے صحابہ کو حبشہ کی طرف دوسری مرتبہ ہجرت کا حکم دیا، یہ تراسی مرد تھے اور اٹھارہ خواتین، یمن کے مسلمان حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ میں پہنچ گئے، جب قریش نے دیکھا مہاجرین کو حبشہ میں اچھا ٹھکانہ مل گیا ہے، انہوں نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی سے مسلمانوں کو واپس مکہ بھیجنے کی درخواست کی، نجاشی نے قریش کے وفد کو ناکام و نامراد لوٹا دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن امیہ ضمری کو اپنا مکتوب دے کر نجاشی کے پاس بھیجا اور اسے اسلام کی دعوت دی، نجاشی مسلمان ہو گیا، آپ نے نجاشی کو حکم دیا کہ وہ

حبشہ میں موجود مہاجرین کو واپس بھیج دیں، مہاجرین واپس آگئے، ان کے ہم راہ باسٹھ اہل حبشہ اور آٹھ شامی حضرات بھی تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان کے سامنے مکمل سورہ یاسین تلاوت فرمائی، قرآن کریم سن کر وہ رونے لگے، اسلام قبول کرلیا اور کہا: یہ کلام عیسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ کلام سے کس قدر مشابہ ہے، ان ہی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی:

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَهُوْدَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّا نَصٰرٰی ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّیْسِیْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ۝ (۱۹)

تم اہلِ ایمان کی عداوت میں سب سے زیادہ سخت یہود اور مشرکین کو پاؤ گے اور ایمان لانے والوں کے لیے دوستی میں قریب تر ان لوگوں کو پاؤ گے جنہوں نے کہا تھا کہ ہم نصاریٰ ہیں، یہ اس وجہ سے ہے کہ ان میں عبادت گزار عالم اور تارک الدنیا فقیر پائے جاتے ہیں اور اُن میں غرورِ نفس نہیں ہے۔

ان تکالیف، سختیوں اور بھوک کو یاد کریں جن کا شعب میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو سامنا کرنا پڑا، خفیہ طور پر ہی کوئی چیز ان تک پہنچ پاتی تھی، یہاں تک کہ انہوں نے درختوں کے پتے کھا کر گزارا کیا، تین سال تک یہ معاشی مقاطعہ برقرار رہا، تب قریش کے بعض لوگوں نے معاہدہ توڑ ڈالا اور رسول اللہ ﷺ نے یہ خبر دی کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں کے علاوہ دیمک باقی نوشتہ چاٹ گئی ہے، انہوں نے اسے ویسا ہی پایا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے خبر دی تھی، مگر ان کی عداوت اور سرکشی میں کسی طرح کی کمی نہ آئی۔

اعلانِ نبوت کے دسویں سال نجران کے عیسائیوں کا وفد حاضر ہوکر مسلمان ہوا، آپ کے چچا ابو طالب کی موت کا وقت قریب آگیا، انہوں نے قریش کے معززین اور سر برآوردہ لوگوں کو بلا کر انہیں نبی کریم ﷺ کے ساتھ حسن سلوک اور آپ کی اعانت اور نصرت کی وصیت کی اور کہا: محمد (ﷺ) ایسا پیغام لائے جسے جنات نے تو قبول کرلیا مگر (انسانوں کی) زبانوں نے دشمنی کی وجہ سے اس کا انکار کیا۔

جناب ابو طالب کی موت کے بعد رسول اللہ ﷺ کے لیے قریش کی عداوت، تعصب اور اذیتیں مزید بڑھ گئیں، آپ یہ حالت ملاحظہ فرما کر طائف تشریف لے گئے، دہاں پورا مہینہ اقامت

پذیر رہے، ان سے بھی خیر نہ پائی تو واپس مکہ مکرمہ لوٹ آئے اور مطعم بن عدی کا جوار حاصل کیا، پھر اعلان نبوت کے گیارھویں سال اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسرا اور معراج کا اعزاز بخشا، معراج میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں، قریش برابر آپ کی تبلیغ کی راہ میں رکاوٹیں ڈالتے رہے، چناں چہ آپ ﷺ موسم حج میں مختلف قبائل میں تشریف لے جاتے، ان سے تعاون اور نصرت مانگتے، قبیلۂ اوس کے چند آدمیوں نے یہودیوں کے بیان کردہ اوصاف سے آپ کو پہچان لیا، انہوں نے ایک دوسرے سے کہا یہ تو وہی نبی ہیں جن کے بارے میں یہودیوں نے ہمیں بتایا ہے، کہیں یہودی ہم سے سبقت نہ لے جائیں، ان میں سے چھ لوگوں نے اسلام قبول کرلیا، یہ مدینہ منورہ میں اسلام پھیلنے کا پہلا سبب بنا۔ آئندہ سال خزرج کے بارہ اور قبیلہ اوس کے دو افراد آپ سے آکر ملے، ان حضرات نے عقبہ کے پاس آپ کی پسندیدہ باتوں پر آپ سے بیعت کی، اسے بیعت عقبہ اولیٰ کہا جاتا ہے، انہوں نے اقرار کیا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کریں گے نہ چوری کریں گے نہ زنا کریں گے نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گے، نہ اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان گھڑ کر لائیں گے، نہ کسی معروف امر پر اللہ کی نافرمانی کریں گے۔ ہر حال میں حق کہیں گے، اللہ کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت کا خوف نہ رکھیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم نے وعدہ وفا کیا تو تمہارے لیے جنت ہوگی۔ پھر یہ حضرات مدینہ طیبہ واپس چلے گئے، اللہ نے مدینہ طیبہ میں اسلام کو غلبہ عطا فرمایا، مدینے کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ نہ ہوتا ہو۔

بعثت کے تیرھویں سال مدینہ طیبہ سے بہت سے لوگ حج کرنے آئے، ان کے ساتھ مشرکوں کا گروہ بھی تھا، یہ لوگ آپ ﷺ سے ملے اور رات کے وقت عقبہ کے پاس ملاقات طے پائی اور یہ بھی کہ کسی سوئے ہوئے کو بیدار کیا جائے نہ کسی غائب کا انتظار کیا جائے۔ یہ سب کچھ خفیہ طور پر ہو رہا تھا تاکہ قریش کو کانوں کان خبر نہ ہو ورنہ وہ اس مضبوط عہد کو توڑنے کی کوشش کریں گے، یہ حکیمانہ سیاست اور مستحکم راہ تھی۔

حج سے فارغ ہوکر انصار مقررہ مقام پر پہنچ گئے، اپنے مشرک ساتھیوں سے مکمل رازداری برتی گئی، اس وقت ایک تہائی رات گزر چکی تھی، یہ لوگ ایک ایک، دو دو کر کے اپنے ٹھکانوں سے نکل آئے، یہ ستر مرد اور دو عورتیں تھیں، انہوں نے عقبہ کے پاس آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اسلام قبول کیا، اسے بیعت عقبہ ثانیہ کہا جاتا ہے، حضور ﷺ نے ان پر بارہ نقیب مقرر فرمائے، ہر خاندان کے

لیے ایک نقیب اور ارشاد فرمایا: تم عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی طرح اپنے اپنے خاندان کے کفیل اور ذمے دار ہو، میں اپنی قوم کا کفیل ہوں، پھر انصار مدینے کو چلے گئے، اور مدینہ منورہ میں تیزی سے اسلام پھیلنے لگا، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ منورہ میں تشریف آوری کی تمہید تھی، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام عرب کو منتخب راہوں پر اپنے ہم راہ لے کر چلیں، ان پر سیاسی کام یابی کے بعد حربی کام یابی حاصل کریں، جس کے لیے آپ نے مسلسل تکالیف اور اذیتیں برداشت فرمائی تھیں، تیرہ سال تک آپ ہر شخص تک اللہ کا پیغام پہنچاتے رہے، ہر سال حج کے لیے آنے والوں میں دین کی تبلیغ کرتے رہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکار دین کی راہوں میں دھکے کھاتے رہے، آپ مصائب اور عداوتوں میں مبتلا رہے، خفیہ اور علانیہ ہر قسم کی پریشانیوں اور آفتوں سے نبرد آزمار ہے، آپ کے عزیز و اقارب آپ کا دفاع کرتے، مصائب و آلام ایسے کہ کسی انسان کو اس قدر مصائب سے واسطہ نہ پڑا ہوگا، کبھی آپ غاروں میں جا چھپتے، چاروں طرف بھاگتے پھرتے، کوئی جائے پناہ میسر نہ تھی نہ کوئی حامی و ناصر، موتیں تعاقب میں، ہلاکتیں درپے، اور آزار منہ کھولے ہوئے تھے لیکن اللہ آپ کا محافظ اور نگہبان تھا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یقین ہوگیا کہ آپ کے دشمن آپ کے خلاف متحد ہو چکے ہیں اور انہوں نے آپ کے قتل کے لیے مختلف قبائل سے چالیس حملہ آور منتخب کر لیے ہیں، مکے میں آپ کے لیے رہنا محال ہوگیا ہے، قوم کسی طرح آپ کا پیچھا چھوڑنے کو تیار نہیں اور آپ سے ایک طرف ہو جانے پر آمادہ نہیں، بل کہ اپنی گم راہی میں مزید بڑھ رہے ہیں، مسلمانوں کے اموال کی چھینا جھپٹی اور انہیں بغیر کسی قصور کے قتل کرنے کے درپے ہیں، ہر برائی اور شرارت پر ہمہ وقت تیار رہتے ہیں، آپ نے نرمی اور مہربانی کا ہر طریقہ آزما کر دیکھ لیا ہے مگر ان کی سرکشی اور گم راہی روز افزوں ہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہجرت کا اذن عطا فرمایا، تاکہ آپ کی فتح تکمیل کو پہنچے، ہر طرف اللہ کا دین پھیلے اور مسلمان باہم اخوت سے زندگی بسر کریں۔

۲۔ ماہرانہ معاہدے، وفود کا استقبال اور بادشاہوں کو خطوط

مختلف ادوار اور سرزمینوں پر سیاسی اور قومی رہ نماؤں کو جس بہترین طرز عمل کا مظاہرہ کرنا چاہیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس پر گہری نظر تھی، حسن تدبیر اور حسن انجام کو پیش نظر رکھنے میں کوئی

آپ کا ثانی نہ تھا۔

ا۔معاہدۂ حدیبیہ

حدیبیہ مکہ مکرمہ کے قریب ایک کنوئیں کا نام ہے، یہ علاقہ اسی کے نام سے موسوم ہے، نبی کریم ﷺ نے ۶ ھ میں بیت اللہ کی زیارت کا ارادہ فرمایا، مسلمانوں کو خبر کر دی گئی کہ آپ عمرہ کا ارادہ رکھتے ہیں، قریش کی مزاحمت کے خوف سے مدینہ طیبہ کے اردگرد رہنے والے بدوی پہلو بچانے لگے، ان کا خیال تھا رسول اللہ ﷺ اور مسلمان مکے سے کبھی اپنے گھروں کو واپس نہیں آئیں گے، انہوں نے آپ سے کہا: ہمیں اپنے اموال اور اہل وعیال کی فکر نے مشغول کر رکھا ہے، آپ ہمارے لیے مغفرت کی دعا فرمائیں، رسول اللہ ﷺ پندرہ سو مہاجرین اور انصار کے ساتھ روانہ ہوئے، ہدی کے جانور ساتھ تھے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آپ جنگ کے ارادے سے نہیں آئے۔ آپ کے صحابہ اسلحہ ساتھ نہیں لائے تھے صرف تلواریں ساتھ تھیں وہ بھی میان میں، ان کا ارادہ جنگ یا فریب کاری نہ تھا۔

جب یہ حضرات مکہ مکرمہ سے دو منزل دور عسفان میں پہنچے، معلوم ہوا کہ قریش آپ کے آنے کی خبر سے سخت برافروختہ ہیں، بپھرے ہوئے ہیں اور اس رائے پر متفق ہیں کہ جنگ کی تیاری کریں اور مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں، انہوں نے خالد بن ولید کو سو گھڑسواروں کے ساتھ ہراول دستے کے طور پر آگے بھیجا تاکہ مسلمانوں کی پیش قدمی روک دیں، رسول اللہ ﷺ نے ہر قسم کی رکاوٹ کے باوجود حرم کی زیارت کا ارادہ کر لیا۔ آپ نے حدیبیہ کے کنارے پر پڑاؤ ڈالنے کا حکم فرمایا، وہاں قبیلہ خزاعہ کا سردار بدیل بن ورقا قریش کا ایلچی بن کر آیا اور آپ سے آمد کا مقصد دریافت کیا، آپ نے جواب دیا ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے، عمرہ ادا کرنے آئے ہیں، قریش کو لڑائیوں نے کم زور اور نڈھال کر دیا ہے، اگر وہ چاہیں ہم ایک مدت مقرر کر لیتے ہیں جس میں ہماری ایک دوسرے سے جنگ نہیں ہوگی، وہ میرے اور دیگر لوگوں کے درمیان سے ہٹ جائیں، بدیل نے واپس جا کر قریش کو خبر سنائی، انہوں نے بدیل کی خبر پر بھروسہ نہ کیا، کیوں کہ بدیل کا تعلق خزاعہ سے تھا اور یہ قبیلہ دورِ جاہلیت میں بنو ہاشم کا حلیف تھا، قریش نے اسے کہا: کیا محمد (ﷺ) لشکر سمیت عمرے کے لیے ہمارے شہر میں داخل ہونا چاہتا ہے تاکہ اہل عرب سنیں تو کہیں وہ زبردستی شہر میں داخل ہوا ہے، سب

جانتے ہیں اس کے اور ہمارے درمیان لڑائیاں جاری ہیں، بہ خدا یہ اس وقت تک ناممکن ہے جب تک ہماری کوئی آنکھ سلامت ہے۔

پھر انہوں نے ثقیف کے سردار عروہ بن مسعود کو دوسرا سفیر منتخب کر کے بھیجا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچا اور آپ کو قریش کی زبردست جنگی تیاریوں سے خوف زدہ کرنے لگا، اس نے یہ بھی کہا: مسلمان ایک قبیلہ سے تعلق نہیں رکھتے، ان میں مربوط واسطہ نہیں ہے، یہ آپ کا ساتھ نہیں دے سکیں گے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے فوراً منہ توڑ جواب دیا اور کہا: اسلامی اخوت ومؤدت قبائلی اور رشتہ داری کے تعلق سے عظیم تر ہے۔

عروہ نے قریش کے پاس واپس جا کر کہا: اللہ کی قسم! میں بادشاہوں کے درباروں میں باریاب ہوا ہوں، میں قیصر، کسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں گیا ہوں، بہ خدا میں نے کوئی ایسا بادشاہ نہیں دیکھا جس کی اتنی تعظیم وتکریم کی جاتی ہو جتنی تعظیم وتکریم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صحابہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی کرتے ہیں، جب وہ کسی کام کا حکم دیتے ہیں، صرف اس حکم کی تعمیل میں لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں، اس کے وضو کے پانی کو حاصل کرنے کے لیے پروانوں کی طرح گرتے ہیں، جب وہ بات کرتے ہیں ان کی عزت وتوقیر میں ان پر سکوت چھا جاتا ہے، وہ بہ طور تعظیم ان کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے، انہوں نے تمہارے پاس اچھا پیغام بھیجا ہے اسے تسلیم کر لو، میں نے ان کے ہم راہ ایسے لوگ دیکھے ہیں جو انہیں کبھی تنہا نہیں چھوڑیں گے، آگے تمہاری مرضی۔ اس کے باوجود قریش نے کان نہ دھرے ان میں عقل مندی کی تحریک پیدا نہ ہوئی۔ انہوں نے تیسرا قاصد روانہ کیا، اس کا بھی وہی نتیجہ نکلا جو پہلے رونما ہو چکا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کی سفارتی سرگرمیوں کے جواب میں صلح جوئی اور تعلق داری کی خاطر ان کے پاس خراشہ رضی اللہ عنہ بن امیہ کو روانہ کیا، انہوں نے خراشہ کی اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں اور انہیں قتل کرنے پر آمادہ ہو گئے، بعض لوگوں نے درمیان میں پڑ کر انہیں بچایا اور مسلمانوں کے پاس واپس بھیج دیا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قریش کے معززین کے پاس بھیجنے کا خیال ظاہر فرمایا تاکہ انہیں مسلمانوں کی آمد کا مقصد بتایا جائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے قریش سے اپنی جان کا اندیشہ ہے، مکہ میں بنو عدی بن کعب کا کوئی شخص باقی نہیں جو مجھے تحفظ فراہم کرے، قریش پر میری سختی اور ان سے میری عداوت آپ پر عیاں ہے، میں آپ کو

ایک ایسے شخص کا بتاتا ہوں جس کے چچازاد مکے میں ہیں اور وہ انہیں اپنی پناہ میں لے لیں گے اسے تحفظ فراہم کریں گے وہ عثمان بن عفان ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سرداران قریش کے نام اپنا مکتوب دے کر بھیجا، جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ آپ بیت اللہ کی زیارت اور اس کی حرمت وتوقیر بڑھانے کے لیے آئے ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے قریش کا یہی اصرار رہا کہ خواہ نتیجہ کچھ برآمد ہو، ہم رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کو طواف نہیں کرنے دیں گے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو طواف کی اجازت دے دی لیکن انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے بغیر طواف سے انکار کر دیا، قریش نے تین دن کے لیے عثمان رضی اللہ عنہ کو قید کر دیا، لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ عثمان رضی اللہ عنہ اپنے دس ساتھیوں سمیت شہید کر دیے گئے، رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: جو کچھ ہم نے سنا ہے اگر یہ سچ ہے تو پھر ہم اس معاملے کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے بغیر یہاں سے نہیں جائیں گے، لوگو! بیعت، بیعت، لوگ جوق در جوق رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کرنے لگے، قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی:

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللهَ ۚ يَدُ اللهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٠﴾ (۲۰)

جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے تھے وہ دراصل اللہ سے بیعت کر رہے تھے۔ اُن کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ تھا۔ اب جو اس عہد کو توڑے گا اس کی عہد شکنی کا وبال اُس کی اپنی ذات پر ہوگا، اور جو اس عہد کو وفا کرے گا جو اس نے اللہ سے کیا ہے، اللہ عن قریب اس کو بڑا اجر عطا فرمائے گا۔

جب قریش نے بیعت کا سنا اور رسول اللہ ﷺ کے پختہ ارادے سے مطلع ہوئے، ان کی ساری اکڑفوں نکل گئی، انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو رہا کر دیا، پھر انہوں نے اپنی طرف سے قریش کے ذی اثر سرداروں سہیل بن عمرو عامری اور حویطب بن عبد العزی کو روانہ کیا تا کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ معاہدہ کریں، حضور ﷺ خوش ہوئے اور آپ نے سہیل سے پوچھا: تم لوگ ہمیں بیت اللہ کے طواف سے کیوں روک رہے ہو؟ سہیل نے جواب دیا بہ خدا! تا کہ عرب یہ نہ کہیں کہ ہم نے مجبور ہو کر آپ کو اجازت دی ہے، آپ آئندہ سال آسکتے ہیں، پھر صلح کی شرائط

طے ہونے لگیں کہ دس سال تک فریقین میں جنگ نہیں ہوگی، سب پرامن رہیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سال عمرہ کیے بغیر واپس جائیں گے اور آئندہ سال عمرہ کرنے آئیں گے، قریش آپ کے لیے تین دن مکہ خالی کر دیں گے، مسلمان شہر میں صرف تلوار میان میں ڈال کر داخل ہوں گے۔ اور یہ کہ اگر کوئی مکی مسلمان ہوکر مدینے آئے گا مسلمان اسے واپس کرنے کے پابند ہوں گے، اور اگر کوئی مسلمان (اسلام چھوڑ کر) قریش کے ہاں آئے گا وہ اسے واپس نہیں کریں گے، غیر قریش قبائل میں سے جو قبیلہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا حلیف بننا چاہے، بن سکتا ہے اور جو قبیلہ چاہے وہ قریش کا حلیف بن جائے۔

جب معاہدہ کی شرائط طے ہوگئیں صرف معاہدہ لکھا جانا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اچھل کر کھڑے ہوئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آکر کہنے لگے، کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچے رسول نہیں ہیں؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یقیناً ہیں، پھر کہا: کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ کہا: ہیں، کہا پھر اپنے دین کے معاملے میں دب کیوں رہے ہیں؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ بولے: عمر! حضور اللہ کے رسول ہیں، آپ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے، اللہ آپ کا حامی و ناصر ہے، زندگی کی آخری سانس تک ان کی رکاب تھامے رہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

معاہدہ لکھے جانے کے کچھ عرصے بعد ایسا واقعہ ہوا کہ معاہدے کا نفاذ شکست و ریخت کا شکار ہو گیا، مکہ کے کم زور مسلمانوں میں ابوبصیر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، وہ مکے سے بھاگ کر مدینے آ گئے، قریش نے اس کی حوالگی کا خط بھیجا اور لکھا: آپ سے جو معاہدہ ہوا اس میں یہ شرط شامل ہے کہ آپ ہر اس شخص کو واپس کر دیں گے جو ہمارے ہاں سے بھاگ کر آپ کے پاس آئے گا، لہٰذا آپ ہمارے آدمیوں کے ساتھ ابوبصیر کو واپس بھیج دیں، آپ نے ابوبصیر سے فرمایا: ہم نے ان لوگوں سے یہی عہد کیا ہے، ہمارے دین میں دھوکے فریب کی گنجائش نہیں، سو تم ان کے ساتھ واپس جاؤ، ابو بصیر رضی اللہ عنہ عرض گزار ہوئے آپ مجھے ایسے لوگوں میں واپس فرما رہے ہیں جو میرے دین کی وجہ سے مجھے آزمائشوں میں ڈالیں گے، آپ نے فرمایا: تم جاؤ ہم دھوکہ نہیں کریں گے، اللہ تعالیٰ تمہاری تنگی کو کشادگی سے بدل دے گا۔ (ابوبصیر رضی اللہ عنہ واپس چلے گئے اور پھر بھاگ کر قریش کے تجارتی کاروانوں کے راستے میں واقع ایک پہاڑ پر ڈیرہ جمالیا، کچھ اور مکی مسلمان بھی وہاں آ گئے اور انہوں نے قریش کے کاروانی راستے کو مخدوش کر دیا)۔

جب قریش نے دیکھا ابوبصیر اور ان کے دیگر ساتھیوں کی وجہ سے ان کی تجارت متاثر ہو رہی

ہے، انہوں نے نبی ﷺ سے فریاد کی اور ابوسفیان کو بھیج کر یہ مطالبہ کیا آپ ان لوگوں کو اپنے پاس بلالیں ہمیں ان کی واپسی مطلوب نہیں، ہم معاہدے کی اس شرط کو ختم کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ان کی درخواست قبول فرمالی۔ ابوبصیر اور ان کے ساتھیوں کے پاس پیغام بھیجا کہ قریش کے قافلوں اور ان کے افراد کو نہ چھیڑیں، مدینے میں آجائیں۔

ذی قعدہ ۷ ھ کے شروع میں رسول اللہ ﷺ نے عمرہ کے لیے اپنے صحابہ کو مکہ کی طرف کوچ کرنے کا حکم فرمایا، یہ گزشتہ سال کے عمرہ کی قضا تھی، جس کی ادائیگی حسب معاہدہ اس سال ہونا تھی، جب قریش کو مسلمانوں کی آمد کا علم ہوا، وہ تمام راستوں پر پھیل کر مسلمانوں کی آمد کا انتظار کرنے لگے، جب انہیں معلوم ہوا کہ مسلمان مسلح ہیں تو انہوں نے مکرز بن حفص کی قیادت میں وفد بھیجا، انہوں نے آپ سے آکر کہا: محمد (ﷺ)! ہم نے آپ کو بچپن اور جوانی میں کبھی دھوکہ کرتے نہیں پایا، کیا آپ ہتھیار ساتھ لے کر حرم میں داخل ہوں گے حال آں کہ امن کا معاہدہ تشکیل پا چکا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے ان سے ارشاد فرمایا جب تک معاہدہ برقرار ہے ہم ہرگز ہتھیار لے کر داخل نہ ہوں گے، یہ ہتھیار ہم حدودِ حرم سے باہر چھوڑیں گے، تاکہ اگر ضرورت پڑے تو ہمارے کام آئیں۔

جب تین دن گزر گئے قریش نے آپ سے مقررہ مدت کے بعد شہر چھوڑنے کا مطالبہ کیا، رسول اللہ ﷺ نے ان سے مزید کچھ وقت وہاں رہنے کی اجازت مانگی، لیکن ان کے قاصد نے قسم دے کر آپ کو تین دن پورے ہونے پر چلے جانے کا کہا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم ان شاء اللہ شام کو شہر سے چلے جائیں گے اور آپ نے لوگوں میں کوچ کی منادی کرادی، عرب قبائل جب رسول اللہ ﷺ کے ایفائے عہد اور وعدے کی پاس داری سے آگاہ ہوئے وہ آپ کے حلیف بننے اور آپ سے معاہدے کرنے میں دل چسپی لینے لگے، نبی کریم ﷺ اور ان کے قبائل میں مضبوط تعلق قائم ہو گیا اور ایک دوسرے کی مدد و نصرت کا رشتہ مستحکم ہو گیا۔

غور کریں رسول اللہ ﷺ عظیم لشکر کے ساتھ تھے آپ چاہتے تو مکے میں فاتحانہ داخل ہو جاتے لیکن آپ نے لڑائی سے اجتناب کیا اور ایسی شرائط قبول فرمالیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے میں اسلام اور اس کے وقار کے لیے نامناسب تھیں، تاکہ آپ ﷺ کی حیات طیبہ قائدین اور رہ نماؤں کے لیے بہترین اسوہ اور قابل تقلید نمونہ ہو، غور و فکر، دور اندیشی اور مقاصد کے حصول کے لیے اس سے بہتر راہِ عمل ناممکن ہے۔ اسی لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قول ہے، اسلام میں فتح

حدیبیہ سے بڑھ کر کوئی بڑی فتح نہیں، لیکن سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رب تعالیٰ کی حکمتوں تک لوگوں کی سوچ کی رسائی نہ تھی، لوگ جلد بازی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ بندوں کی جلد بازی میں جلد بازی نہیں فرماتا، بل کہ تمام اموراس کے ارادے کے تحت مقررہ وقت میں انجام پاتے ہیں۔

صلح حدیبیہ میں پھر غور کریں کیسی عمدہ با کمال سیاسی تدبیر سامنے آئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کو جنگ پر ترجیح دی حال آں کہ مسلمان اس وقت قوت و طاقت کے مالک تھے وہ اپنا تحفظ کر سکتے تھے، دشمنوں کو دبوچ سکتے تھے، اس صلح نے مسلمانوں اور مشرکوں کو ایک دوسرے سے ملنے کا موقع فراہم کیا، مشرکوں نے قرآن سنا، دین کی حقیقت ان پر واضح ہوئی، جزیرۃ العرب اور اس سے متصل ممالک شام، مصر اور ایران میں مبلغ بھیجے گئے، لوگ امن و اطمینان سے دین میں داخل ہونے لگے، اس صلح کے دوران فتنہ کے خوف سے چھپے ہوئے مسلمانوں نے علانیہ اسلام کا اظہار کردیا۔

اس معاہدے کی عظمت شان کے لیے یہی دلیل کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی عظمت میں سورۃ الفتح نازل فرمائی، اس سورت میں صلح حدیبیہ میں مستور حکمتوں اور مصالح کا بیان ہے، غیب کی خبریں ہیں، نصرت اور غنائم کے وعدے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اسے فتح مبین فرمایا ہے اور اس کے بعد نصر عزیز (زبردست نصرت) کا وعدہ فرمایا ہے، کیوں کہ صلح حدیبیہ فتح مکہ کی تمہید تھی، جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اہل عرب اور تمام مسلمانوں پر اپنی نعمت مکمل فرمادی۔

ب: وفود کی آمد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سیاسی کمال اور مستحکم تصرف کی ایک عمدہ دلیل وفود کی آمد اور شریعت مطہرہ کی وسعت تک ان کے مطالبات کی منظوری ہے، مثالیں ملاحظہ کریں۔

ا: نجران کے نصاریٰ کا وفد

ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں نجران کے نصاریٰ کا ساٹھ سواروں پر مشتمل وفد حاضر ہوا، یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں آپ سے مباحثہ کرنے آئے تھے، یہ لوگ مسجد نبوی میں عصر کے وقت پہنچے اور اپنی نماز شروع کردی، بعض صحابہ نے انہیں روکنے کا ارادہ کیا، کیوں کہ وہ نصاریٰ کے طریقے کے مطابق عبادت کر رہے تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تالیف قلب اور ان کے اسلام قبول کرنے کی توقع پر ارشاد فرمایا: انہیں مت روکو، انہوں نے مشرق کی سمت رخ کر کے اپنی

نماز پوری کی، جب یہ لوگ نماز سے فارغ ہو گئے آپ نے انہیں اسلام کی دعوت دی اور قرآن کریم سنایا، انہوں نے اسلام قبول نہ کیا۔

پھر آپ نے ان سے فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اگر تم اسلام قبول نہ کرو تو میں تم سے مباہلہ کروں، وہ بولے اے ابو القاسم! (ﷺ) ہم واپس جا کر اس معاملے میں غور کرتے ہیں، الگ ہو کر ان میں سے کسی نے کہا: بہ خدا تمہیں علم ہے یہ صاحب اللہ کے فرستادہ نبی ہیں، اور جب بھی کسی پیغمبر نے کسی قوم پر لعنت کی ہے وہ قوم صفحۂ ہستی سے مٹ گئی، اگر تم اپنے ہی دین پر رہنے کے خواہش مند ہو تو ان کو الوداع کہو ان سے مصالحت کرلو اور اپنے وطن کو لوٹ جاؤ، انہوں نے آپ سے مباہلہ نہ کیا اور جزیہ دینے پر مصالحت کر لی، رسول اللہ ﷺ نے انہیں مکتوب عطا فرمایا، انہوں نے درخواست کی کہ ان کے ہم راہ کسی امین شخص کو جزیہ کی وصولی کے لیے روانہ کیا جائے، آپ نے ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا اور ارشاد فرمایا: یہ اس امت کا امین ہے۔

۲۔ تمیم الداری اور ان کے ساتھیوں کا وفد

ہجرت سے قبل مکہ میں ابو تمیم الداری، ان کے بھائی اور چار دوسرے لوگوں پر مشتمل وفد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، یہ لوگ نصرانی تھے، انہوں نے اسلام قبول کر لیا، اچھے مسلمان ہوے، انہوں نے آپ سے شام میں جاگیر کا سوال کیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جہاں سے تمہاری مرضی ہو مانگو، مشورہ کرنے کے بعد انہوں نے آپ سے بیت جیرون اور اس کا پرگنہ مانگا، رسول اللہ ﷺ نے چمڑے کا ٹکڑا منگوا کر اس پر انہیں یہ تحریر فرما دیا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

> یہ وہ تحریر ہے جس میں محمد رسول اللہ (ﷺ) کی طرف سے داریوں کو عطا کردہ جاگیر ذکر کی گئی ہے، جب اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو یہ سرزمین عطا فرمائے گا تو آپ داریوں کو بیت عینون، جیرون، مرطوم اور بیت ابراہیم کے علاقے عطا فرمائیں گے اور یہ عطیہ ہمیشہ ہمیش کے لیے اور دائمی ہوگا۔

حضرت عباس، خزیمہ بن قیس اور شرحبیل رضی اللہ عنہم نے اس پر گواہی ثبت کی، رسول اللہ ﷺ نے دستاویز وفد کو مرحمت فرمائی اور فرمایا: واپس چلے جاؤ۔

۳۔ وفد عامر بن صعصعہ

دشمن خدا عامر بن طفیل کی قیادت میں یہ وفد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا، عامر اپنی قوم کا سردار تھا، عکاظ کے تجارتی میلے میں اس کا منادی اعلان کرتا تھا کہ کسی پیدل کو سواری کی ضرورت ہو تو ہمارے پاس آئے ہم اس کو سواری دیں گے، اگر کوئی بھوکا ہو ہمارے پاس آئے ہم اسے کھانا کھلائیں گے اور اگر کوئی دشمن سے خائف ہے، ہم اسے پناہ دیں گے، عامر نبی کریم ﷺ کے لیے دل میں دھوکہ دہی کا ارادہ رکھتا تھا، اس نے اپنی قوم کے ایک اور سردار اربد بن ربیعہ سے کہا جب ہم محمد (ﷺ) کے پاس پہنچیں گے میں اسے باتوں میں مشغول کر کے اپنی طرف متوجہ کردوں گا، اسی دوران تم تلوار سے ان کا کام تمام کردینا۔

جب یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے عامر نے کہا: یا محمد! (ﷺ) مجھے اپنا دوست بنالیں، آپ نے ارشاد فرمایا: بہ خدا اس وقت تک نہیں جب تک تم اللہ وحدہ لاشریک لہ پر ایمان نہ لاؤ گے، عامر آپ سے گفت گو میں لگا رہا، اور اربد کے حملے کا منتظر رہا، اربد خاموش کھڑا رہا، اپنا ہاتھ تلوار تک لاتا لیکن تلوار سونتنے کی ہمت نہ پاتا۔ ایک روایت میں ہے جب عامر نبی کریم ﷺ کے پاس آیا آپ نے اس کے بیٹھنے کے لیے تکیہ ڈال دیا، پھر اس سے فرمایا: اسلام قبول کرلو، کہنے لگا، مجھے آپ سے بات کرنی ہے، اگر میں اسلام قبول کرلوں تو کیا آپ مجھے اپنا جانشین بنادیں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس میں تیرا اور تیری قوم کا کوئی دخل نہیں، اللہ تعالیٰ جسے چاہے گا اسے میرا جانشین بنادے گا۔ لیکن میں تجھے گھڑسواروں کا امیر بنادوں گا، وہ کہنے لگا میں اب بھی نجد کے گھڑسواروں کا سردار ہوں، آپ مجھے صحرانشین قبائل کی سرداری دے دیں اور اپنے پاس شہروں اور قصبوں کی سرداری رکھ لیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔

پھر اس نے آپ سے کہا: اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو مجھے کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا: جو دوسرے مسلمانوں کے حقوق ہیں وہی تمہارے حقوق ہوں گے اور جو ان کی ذمے داریاں ہیں وہ تمہاری ذمے داری ہوں گی، یہ سن کہنے لگا: بہ خدا! میں تمہارے خلاف اتنے شہسوار اور پیدل لاؤں گا جو ان وادیوں کو بھر دیں گے، ہر کھجور کے ساتھ ایک گھوڑا باندھ دوں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں ایسی ہمت نہیں دے گا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! بنو عامر کو ہدایت فرما، مجھے عامر بن طفیل کے شر سے جیسے اور جس طرح تیری مرضی ہو محفوظ فرما۔

عامر اذیت ناک موت مرا، اربد کو بجلی نے جلا کر راکھ کر دیا اور بنو عامر کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی دولت عطا فرمادی۔

۴۔ وفد عبد القیس

یہ لوگ بحرین میں آباد تھے، ان کے وفد میں جارود نام کے ایک صاحب بھی تھے جو نصرانی تھے، جارود نے آسمانی کتب پڑھی ہوئی تھیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے اس نے یہ شعر کہے:

یا نبی الھدی اتاک رجال
قطعت فدفدا و آلا فآلا
تتقی وقع یوم عبوس
اوجل القلب ذکرہ ثم ھالا

اے ہدایت کے پیغمبر! آپ کے پاس جنگلات اور سراب طے کر کے آنے والے لوگ حاضر ہیں۔

وہ اس دن کے وقوع پذیر ہونے سے ڈرتے ہیں جس کا ذکر دل کو خوف زدہ اور ہراساں کر دیتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جارود کو اسلام کی دعوت دی، اس نے عرض کی میں ایک دین پر ہوں، میں اپنا دین چھوڑ کر آپ کا لایا ہوا دین قبول کرتا ہوں، کیا آپ میرے گناہوں کی بخشش کا ذمہ لیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں، میں ضامن ہوں، اللہ تعالیٰ نے تجھے ہدایت بخشی ہے اور تو نے اپنے دین سے بہتر دین اختیار کیا ہے، چناں چہ جارود رضی اللہ عنہ اور اس کے ساتھی مسلمان ہو گئے۔

ایک روایت میں ہے جب جارود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کے رب نے آپ کو کیا پیغام دے کر مبعوث فرمایا ہے؟ آپ نے فرمایا: اس بات کی شہادت کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، اور اللہ کے سوا ہر معبود سے اظہار برأت کروں، وقت پر نماز ادا کروں، اپنے مال کی زکاۃ ادا کروں، رمضان کے

روزے رکھوں، راستی کے ساتھ حج ادا کروں، جو شخص نیک عمل کرتا ہے اس کا فائدہ اسی کو ملتا ہے اور جو برے اعمال کا مرتکب ہوتا ہے اس کا وبال اسی پر ہوگا اور آپ کا رب بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

پھر جارود نے کہا اگر آپ نبی ہیں تو مجھے بتائیں میں نے دل میں کیا چھپا رکھا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے قدرے توقف کیا جیسے اونگھ آ گئی ہو، پھر آپ نے سر اٹھایا اس وقت آپ کی پیشانی سے پسینے کے قطرے ڈھلک رہے تھے، آپ نے فرمایا: تو نے اپنے دل میں تین باتیں چھپا رکھی ہیں، ۱۔زمانۂ جاہلیت کے خونوں کے متعلق پوچھنا چاہتے ہو، ۲۔دور جاہلیت کے معاہدوں کا حکم معلوم کرنا چاہتے ہو، ۳۔اور عطیات کا حکم دریافت کرنا چاہتے ہو، سنو! دور جاہلیت کے تمام مقتولوں کا خون ساقط ہے، ان کے قاتلوں سے قصاص نہیں لیا جائے گا، زمانۂ جاہلیت کے باہمی تعاون کے تمام گٹھ جوڑ باطل ہیں، اسلام میں کوئی گٹھ جوڑ نہیں، اور افضل صدقہ یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کو بہ طور عطیہ سواری پر سوار کرو یا اسے بکری کا دودھ پیش کرو۔

۵۔وفد عدی بن حاتم

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں اپنی قوم کا سردار تھا جب میں نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں سنا آپ کو ناپسند کرنے لگا، عرب میں کوئی ایسا شخص نہ تھا جو مجھ سے زیادہ آپ کو ناپسند کرتا ہو، جب میں نے سنا کہ آپ کا لشکر سرزمین طے میں داخل ہوگیا ہے، میں نے اپنے بیوی بچوں کو سوار کیا اور شام میں اپنے ہم مذہب نصرانیوں کے پاس چلا گیا، اپنی بہن کو وہیں چھوڑ گیا، میری بہن قیدیوں میں شامل تھی، جب یہ قیدی رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے اور رسول اللہ ﷺ کو میرے شام کی طرف فرار ہو جانے کی اطلاع ملی، آپ نے میری بہن پر احسان فرمایا اسے نیا لباس پہنایا، سواری مرحمت فرمائی اور سفر خرچ عطا فرمایا، میری بہن شام میں میرے پاس پہنچی، میری بہن سمجھدار خاتون تھیں، میں نے اس سے پوچھا: تیرا اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اس نے کہا: بہ خدا! وقت ضائع کیے بغیر تم ان سے جا کر ملو، اگر وہ نبی ہیں تو اس کی طرف جلدی جانے والا صاحب فضیلت ہوگا اور اگر وہ بادشاہ ہے تو تم باصلاحیت انسان ہو، بہ خدا میری یہی رائے ہے۔

عدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب میں (شام سے روانہ ہو کر مدینہ طیبہ میں) آپ کے پاس پہنچا، آپ نے پوچھا: کون ہو؟ میں نے کہا: عدی بن حاتم، آپ مجھے ساتھ لے کر اپنے گھر کی

طرف روانہ ہوئے، راستے میں آپ کو کم زور بوڑھی عورت ملی، اس نے آپ کو ٹھہرالیا، آپ خاصی دیر تک کھڑے اس کی باتیں سنتے رہے، میں نے (دل میں) کہا یہ بادشاہ نہیں ہیں، جب آپ گھر میں داخل ہوئے آپ نے ایک تکیہ جو چمڑے کا تھا اور اس میں کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے میری طرف سرکا کر فرمایا: اس پر بیٹھو، میں نے عرض کی بل کہ آپ اس پر بیٹھیں، آپ نے فرمایا: نہیں تم ہی اس پر بیٹھو، میں تکیے پر بیٹھ گیا اور رسول اللہ ﷺ زمین پر بیٹھ گئے، میں نے سوچا یہ خدا بادشاہ ایسا نہیں کرتے، پھر آپ نے مجھ سے فرمایا: اے عدی بن حاتم! کیا تمہارا تعلق ایسی قوم سے نہیں ہے جو دین رکھتی ہے؟ میں نے کہا: ہاں، آپ نے فرمایا: کیا تم مالِ غنیمت میں سے چوتھائی حصہ لیتے ہو؟ (دورِ جاہلیت میں سردارِ قوم سے مالِ غنیمت کا چوتھائی حصہ لیتے تھے) میں نے کہا: ہاں، آپ نے فرمایا: یہ تو تمہارے دین میں حلال نہیں ہے، میں نے کہا: یہ خدا! ایسا ہی ہے، اور مجھے معلوم ہو گیا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں مخفی چیزیں جانتے ہیں۔

پھر آپ نے ارشاد فرمایا: عدی! تم اسلام قبول کرنے سے شاید اس لیے گریز کر رہے ہو کہ مسلمان غریب اور محتاج ہیں، بہ خدا ایسا وقت آنے والا ہے کہ ان میں دولت کی اتنی فراوانی ہوگی کہ کوئی لینے والا نہیں ملے گا، شاید تم اسلام قبول کرنے سے اس لیے ہچکچا رہے ہو کہ مسلمانوں کی تعداد کم اور ان کے دشمنوں کی تعداد زیادہ ہے، بہ خدا عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ تم سنو گے کہ ایک عورت قادسیہ سے اپنے اونٹ پر نکلے گی، بیت اللہ کی زیارت کرے گی اور اسے کوئی خوف نہ ہوگا۔

عدی! شاید تم اس لیے اسلام قبول نہیں کر رہے کہ حکومت اور سلطنت غیروں کے قبضے میں ہے، اللہ کی قسم! عنقریب تم سنو گے کہ مسلمان بابل کے قصر ابیض کو فتح کر لیں گے۔

عدی رضی اللہ عنہ کہتے تھے میں نے ایسی عورت کو دیکھا جو اپنے اونٹ پر قادسیہ سے روانہ ہو کر حج کرتی تھی۔ عدی رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے اور بہترین مسلمان رہے۔

۶۔ وفد کندہ

کندہ یمن کا ایک قبیلہ ہے، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کندہ کے اسی افراد کا وفد حاضر ہوا، ان میں اشعث بن قیس بھی شامل تھا، یہ خوب صورت اور وجیہ نوجوان تھا، سارا قبیلہ اس کا فرماں بردار اور مطیع تھا، جب یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے، انہوں نے اپنے

بال سنوارے، آنکھوں کو سرگیں کیا، حیرہ کے جبے زیب تن کیے جن کے کناروں پر ریشمی گوٹ لگی ہوئی تھی، جب حاضر ہوئے تو انہوں نے آپ کو شاہانہ سلام (ابیت اللعن) پیش کیا، آپ نے فرمایا: میں بادشاہ نہیں ہوں، محمد بن عبداللہ (ﷺ) ہوں، انہوں نے کہا: ہم آپ کو آپ کے اسم گرامی سے نہیں پکاریں گے، آپ نے فرمایا: میں ابو القاسم ہوں، انہوں نے کہا: اے ابو القاسم! ہم نے آپ کے لیے ایک چیز چھپا رکھی ہے، بتائیے وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! یہ کام تو کاہن کرتے ہیں، کاہن، کاہن کا پیشہ اور کہانت سب آگ کی نذر ہوں گے، وہ بولے ہمیں کیسے معلوم ہوگا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں؟ آپ نے مٹھی بھر کنکریاں لیں اور فرمایا: یہ گواہی دیں گی کہ میں اللہ کا رسول ہوں، کنکریوں نے آپ کے ہاتھ میں تسبیح کی، انہوں نے کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، مجھ پر ایسی کتاب نازل کی ہے جس کے آگے پیچھے کسی جانب سے باطل نہیں آسکتا، انہوں نے عرض کی آپ ہمیں اس کتاب میں سے سنائیے، رسول اللہ ﷺ نے سورۃ والصفافات شروع سے **و رب المشارق** تک تلاوت کی، پھر خاموش ہو گئے، بالکل ساکت اور آپ کی داڑھی پر سے آنسو گرنے لگے، انہوں نے دریافت کیا ہم آپ کو روتے ہوئے دیکھ رہے ہیں کیا آپ اپنے بھیجنے والے کے خوف سے رو رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اسی کے خوف سے میں روتا ہوں، اس نے مجھے تلوار کی دھار جیسے صراط مستقیم پر مبعوث فرمایا ہے اگر میں اس راستے سے ہٹ جاؤں تو ہلاک ہو جاؤں، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی:

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ﴿۸۶﴾ (۲۱)

اور اگر ہم چاہیں تو وہ سب کچھ تم سے چھین لیں جو ہم نے وحی کے ذریعے تم کو عطا کیا ہے پھر تم ہمارے مقابلے میں کوئی حمایتی نہ پاؤ گے جو اسے واپس دلا سکے۔

اور ان لوگوں سے فرمایا: کیا تم مسلمان نہیں ہو؟ وہ بولے ہم مسلمان ہیں، آپ نے فرمایا: پھر یہ ریشم کیسا ہے؟ انہوں نے اسی وقت ریشم کی گوٹ پھاڑ کر پھینک دی۔

۷۔ وفد تجیب

تجیب کندہ کا ایک قبیلہ ہے، یہ وفد تیرہ افراد پر مشتمل تھا، یہ لوگ اپنے ساتھ زکاۃ کے اموال بھی

لائے تھے، رسول اللہ ﷺ ان سے بہت خوش ہوئے، ان کو اچھی طرح رکھا، انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم آپ کے پاس اپنے اموال کی زکاۃ لے کر حاضر ہوئے ہیں، آپ نے فرمایا: اسے واپس لے جاؤ اور اپنے فقرا میں تقسیم کر دو، انہوں نے کہا: ہم آپ کی خدمت میں وہی مال لے کر حاضر ہوئے ہیں جو ہمارے فقرا سے بچ گیا ہے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! ہمارے پاس اہل عرب میں سے ان جیسا کوئی وفد نہیں آیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہدایت اللہ عز وجل کے دست قدرت میں ہے وہ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اس کا سینہ دین کے لیے کشادہ کر دیتا ہے۔

پھر وہ آپ سے قرآن اور سنتوں کے بارے میں دریافت کرنے لگے، رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف زیادہ توجہ مبذول فرمائی، جب ان کا واپسی کا ارادہ ہوا انہوں نے آپ کو الوداع کہا، آپ نے بلال رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف بھیجا اور ان کو دیگر وفود سے زیادہ انعامات اور عطایا سے نوازا۔

پھر نبی کریم ﷺ نے ان سے پوچھا: تمہارا کوئی آدمی رہ تو نہیں گیا، انہوں نے کہا: ہمارا ایک سب سے کم سن لڑکا ہے جسے ہم اپنے سامان کے پاس چھوڑ آئے ہیں، آپ نے فرمایا: اسے ہمارے پاس بھیج دو، لڑکے نے آ کر کہا: یا رسول اللہ! میں اسی وفد کا ایک فرد ہوں جو ابھی آپ کے پاس آیا تھا اور آپ نے ان کی حاجتیں پوری کر دی ہیں، میری حاجت بھی پوری کر دیں، آپ نے فرمایا: تیری کیا حاجت ہے؟ عرض کی: یا رسول اللہ! اللہ کی قسم! میں اس لیے وطن سے نکلا ہوں کہ آپ میرے لیے دعا کریں اللہ میری مغفرت فرما دے، مجھ سے رحم کا معاملہ فرمائے اور میرے دل کو غنی فرما دے۔ رسول اللہ ﷺ نے دعا مانگی: اے اللہ! اس کی مغفرت فرما اس پر رحم فرما اور اس کے دل کو غنی کر دے۔ پھر آپ نے بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اسے بھی اتنا عطیہ دیں جتنا اس کے ساتھیوں کو دیا ہے۔

۸۔ وفد بنو سعد ہذیم قضاعی

بنو سعد ہذیم کا وفد مدینہ طیبہ کے نواح میں اترا، پھر وہ مسجد نبوی کے دروازے تک پہنچے، رسول اللہ ﷺ مسجد میں جنازہ کی نماز پڑھا رہے تھے، یہ لوگ نماز جنازہ میں شریک نہ ہوئے، کہنے لگے

ہم انتظار کریں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہو جائیں، تو ہم آپ کی بیعت کریں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز سے فارغ ہو کر انہیں دیکھا اور بلا کر پوچھا: کیا تم مسلمان ہو؟ وہ بولے: ہاں، آپ نے فرمایا: پھر تم نے اپنے بھائی پر نماز کیوں نہیں پڑھی؟ انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہمارا خیال تھا جب تک ہم آپ سے بیعت نہ کر لیں یہ ہمارے لیے جائز نہیں ہے، آپ نے فرمایا: تم نے جہاں اسلام قبول کر لیا تھا تم مسلمان ہو گئے تھے۔

انہوں نے اسلام قبول کیا اور اسلام پر بیعت کر لی، پھر یہ لوگ اپنے ٹھکانے پر آئے اور اپنے سب سے کم سن کو پیچھے چھوڑ گئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بلوایا، وہ حاضر ہوئے، وہ نوجوان بھی ان کے ہم راہ تھا، اس نے آگے بڑھ کر اسلام قبول کیا، لوگوں نے کہا: یہ ہم میں سب سے کم سن ہے، آپ نے فرمایا: سب سے کم عمر ہی قوم کا خادم ہوتا ہے، اللہ اسے برکتوں سے نوازے، پھر وہ نوجوان (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کی برکت سے) سب سے بہتر اور قرآن کا قاری تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے وہ ان کا امام اور امیر رہا۔

جب یہ لوگ واپس جانے لگے، آپ نے بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وفد کے ہر فرد کو چند اوقیہ چاندی کا عطیہ دیں، پھر یہ لوگ اپنی قوم کے پاس لوٹ گئے، اور ان کی قوم کے باقی لوگ بھی مسلمان ہو گئے۔

ج: بادشاہوں کو خطوط

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف انہیں باتوں پر اکتفا نہ فرمایا بل کہ آپ رحمت عامہ، بشیر و نذیر، اللہ کی اجازت سے اس کی طرف دعوت دینے والے اور روشن چراغ بن کر تشریف لائے تھے، آپ نے روم کے شہنشاہ قیصر، فارس کے بادشاہ کسریٰ وغیرہ کو دین اسلام کی دعوت کے خطوط تحریر فرمائے۔ کسریٰ نے غرور میں آپ کا نامہ مبارک چاک کر دیا، اللہ تعالیٰ نے اس کی سلطنت کے پرزے اڑا دیے، اور چند سال کے عرصہ میں مسلمان اس کی مملکت کے مالک بن گئے، روم کی عظیم الشان، وسیع سلطنت اپنی فوجوں کی کثرت کے باوجود مسلمانوں کے آگے سرنگوں ہوگئی، ان کے علاوہ بھی آپ نے باقی حکم رانوں کو دعوت اسلام کے خطوط بھیجے۔ حبشہ کا بادشاہ نجاشی اور منذر بن ساوی مسلمان ہو گئے۔ مقوقس نے آپ کے قاصد کی تعظیم و تکریم کی، قیصر نے اچھا جواب دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیصر کے نام یہ

مکتوب روانہ فرمایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے عظیم روم ہرقل کی طرف، اس کے لیے سلامتی ہے جو ہدایت کی پیروی کرے۔

امابعد! میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اسلام قبول کرلو سلامتی پاؤ گے، اللہ تعالیٰ تجھے دوہرا اجر عطا فرمائے گا، اگر تم نے انکار کیا تو تم پر تمہاری رعایا کا بھی گناہ ہوگا۔

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ (۲۲)

اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یک ساں ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنالے، اس دعوت کو قبول کرنے سے اگر وہ منہ موڑیں تو صاف کہہ دو کہ گواہ رہو، ہم تو مسلم (صرف خدا کی بندگی واطاعت کرنے والے) ہیں۔

یہ اس عرصے کی بات ہے کہ عرب کے کونے کونے سے برضا و رغبت وفود آرہے تھے، لوگ جماعتوں کی صورت میں اور اکیلے، پیدل اور سوار، اسلام قبول کرنے کو حاضر ہورہے تھے، اللہ کے حکم کے آگے سر جھکاتے ہوئے، اس کے دین میں داخل ہورہے تھے، حق نے باطل کو پچھاڑ دیا تھا، باطل تو ہوتا ہی پچھڑنے کے لیے ہے، دشمنوں کی محافل سونی پڑی تھیں، ان کی جمعیت منتشر ہوچکی تھی۔ شام اور عراق کے قبائل کے سوا تمام عرب اسلام کے دامن سے وابستہ ہوچکا تھا۔

پھر آپ نے مشہور حج حجۃ الوداع کیا، جس میں دین کے اہم اصول اور فروع بیان فرمائے، اسی روز اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر احسان جتلاتے ہوئے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ (۲۳)

آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کردیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کردی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کرلیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع سے واپس تشریف لائے اور رومی حکم رانوں کے ماتحت شامی قبائل سے جنگ کے لیے لشکر کی تیاری کا حکم فرمایا، لشکر کی روانگی سے قبل آپ ﷺ کے مرض میں شدت آ گئی، آپ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتے پھر انہیں اسامہ رضی اللہ عنہ کے سر پر رکھ دیتے، اسامہ رضی اللہ عنہ آپ سے رخصت ہو کر لشکر گاہ میں پہنچے، لوگوں کو کوچ کا حکم دیا، اتنے میں رسول اللہ ﷺ کے وصال کی اطلاع آ گئی۔

گزشتہ سطور سے واضح ہو چکا کہ رسول اللہ ﷺ کو کئی طرح کے مصائب و آلام اور تکالیف سے واسطہ پڑا، آپ نے بہت مشکلات جھیلیں، لیکن مصائب و آلام آپ کے ارادوں کو شکست نہ دے سکے، آپ کی ہمت پست نہ ہوئی بل کہ آپ دعوت و تبلیغ اور دشمن کے مقابلے میں پوری استقامت اور ثابت قدمی سے ڈٹے رہے، مکمل یقین اور اعتماد کے ساتھ موجود رہے اور آپ کو ایسی عظیم الشان کام یابی ملی جو آپ سے پہلے اور بعد میں کسی کے نصیب میں نہیں آئی، آپ نے ایسا دائمی دین چھوڑا جس کی پیروی سے قومیں حیات جاودانی سے سرفراز ہوئیں، غم و الم کے بادل چھٹ گئے، اور جس کی روشنی میں بنو نوع انسان اللہ کی زمین اور اس پر موجود نعمتوں کی وراثت حاصل کر لیتی ہے۔

د: حربی کام یابیاں

گزشتہ صفحات میں آپ مطالعہ کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو کس قدر تکالیف سے دوچار ہونا پڑا، دشواریاں ہی دشواریاں، عظیم خطرات، زبردست رکاوٹیں، مصائب کے پاتال، آلام کے مہلک بیابان، آپ ہر قسم کے خوف و خطرے سے بے نیاز آگے بڑھتے چلے گئے، دشواریوں سے تھکے نہ گھبرائے، تمام پریشانیوں کا صبر و تحمل سے مقابلہ کیا اور ان دقتوں کو خاطر میں نہ لائے، آپ کا مشن اسلام کی دعوت تھا سو اسے چہار سو عام کیا اور اللہ کی عظیم نصرت سے پناہ حاصل کی، ارشاد الٰہی ہے:

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ (۲۴)

اگر اللہ تمہاری مدد پر ہو تو کوئی طاقت تم پر غالب آنے والی نہیں۔

سیاسی کام یابی کی تکمیل کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہجرت کا اذن مرحمت فرمایا، اہل مکہ نے جب اہل مدینہ سے حضور ﷺ کے پختہ تعلقات دیکھے، مدینے میں اسلام کا روز افزوں پھیلاؤ دیکھا، انہیں یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں اہل مدینہ ان پر حملہ نہ کر دیں، انہوں نے آپ ﷺ کے قتل

اور آپ کے پیغام کے آگے بند باندھنے کی تدبیریں کیں لیکن ان کی ساری تدبیریں رائیگاں چلی گئیں، انہیں منہ کی کھانی پڑی، آپ اپنے گہرے دوست کے ساتھ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کر گئے، تیرہ سالہ تکلیف دہ عرصہ گزارنے کے بعد دین اسلام کی نشر و اشاعت کے لیے ہجرت عظیم سبب بنی، مشرکوں کے منصوبے ناکام ہوئے تو ان کے سینوں پر سانپ لوٹنے لگے، ان کی نامرادی عیاں ہوئی تو انہوں نے اعلان کر دیا جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گرفتار کر کے لائے یا آپ کی نشان دہی کر دے اسے سو اونٹ انعام دیا جائے گا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔ تین راتوں کے بعد گائیڈ غار ثور پر دو سواریاں لے آیا، آپ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہمراہی میں سوئے مدینہ روانہ ہوئے، قباء میں پہنچے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق آپ نے وہاں چودہ راتیں قیام فرمایا، آپ کا قیام بنو عمرو بن عوف میں تھا، وہاں آپ نے اس مسجد کی بنیاد رکھی جو مسجد روز اول سے تقوے پر قائم کی گئی، ان تاریخوں میں سورج برج میزان میں تھا، یہ اعتدال خریفی کے ابتدائی ایام تھے، اس میں آپ کی شریعت کے اعتدال کی جانب اشارہ پنہاں تھا اور یہ کہ یہ آخری الٰہی شریعت ہے جس سے دین درجۂ کمال تک پہنچے گا۔

مدینہ طیبہ میں اقامت پذیر ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل و عیال کو منگوا لیا، مشرکوں نے مکہ میں موجود بعض کم زور مسلمانوں کو روک لیا، انہیں اذیتیں دیں، قید میں ڈالا، تھوڑے عرصے میں مدینے میں اسلام پھیل گیا، یہودی گھبرائے اور اسلام کے جمتے ہوئے قدموں نے انہیں غیظ و غضب میں مبتلا کر دیا، ان کے دلوں میں عداوت کی آگ بھڑکنے لگی، وہ مسلمانوں کے خلاف صف بستہ ہو گئے، حال آں کہ اس سے پہلے وہ مشرکوں کے خلاف اس نبی کے وسیلے سے دعا مانگا کرتے تھے جس کی بعثت کا زمانہ قریب آ چکا تھا، اب غلبے اور حکم رانی کی محبت نے انہیں اندھا کر دیا، وہ مسلمانوں کے خلاف سازشوں کے جال بُننے لگے، مدینے کے منافقوں کی ہم دردیاں بھی انہیں حاصل ہو گئیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودیوں کے ساتھ معاہدہ فرمایا کہ وہ مسلمانوں کو نہیں ستائیں گے اور مسلمان ان سے جنگ نہیں کریں گے۔

جنگ کی مشروعیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تلوار لے کر نہیں آئے کہ لوگوں کی گردنیں مار کر انہیں گروہ در گروہ دین میں

داخل کریں بل کہ آپ سب کو صرف دین حنیف کی طرف بلاتے تھے اور اس راستے میں آپ نے شدید تکالیف برداشت کیں، سخت مزاحمت، حد سے تجاوز اور حسد کی فراوانی کا سامنا کیا، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ ظلم وزیادتیاں برداشت کرتے رہے وہ اس یقین سے مالا مال تھے کہ آخر کار وہی کام یاب رہیں گے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہجرت کے سبب ان کی دشواریاں دور کر دیں اور ان کے لیے ان دشمنوں سے بدلہ لینا مباح فرما دیا جنہوں نے ان سے ہر طرح کی دست درازی کی تھی، اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ کی اجازت مرحمت فرمادی، ارشاد ہوا:

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ﴿٣٩﴾ (۲۵)

اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جارہی ہے کیوں کہ وہ مظلوم ہیں، اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبائل کے درمیان دین کا پیغام پہنچانے لگے اور ہر ظلم وزیادتی کو اپنی اور مسلمانوں کی جانوں سے پوری قوت سے دفع کرنے لگے، دین کی دعوت میں رخنہ اندازی کرنے والوں کی گرفت فرمانے لگے، جنگ صرف اسی سے تھی جو آپ سے یا مسلمانوں سے زیادتی کرتا یا برسرِ پیکار رہوتا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَمَنِ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ ۚ (۲۶)

جو تم پر دست درازی کرے تم بھی اُسی طرح اس پر دست درازی کرو۔

چناں چہ یکے بعد دیگرے سرایا اور غزوات کے لیے لشکروں کی روانگی شروع ہوئی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو زمین میں اقتدار بخشا اور اپنے دین کی حفاظت کا ذمہ لے لیا، ارشاد ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿٩﴾ (۲۷)

ہم ہی نے اس قرآن کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

انسان پر چودھویں کا چاند طلوع ہوا اور بلاسحاب اسلام کا سورج جلوہ گر ہوا، ایمان اور اسلام کے نور سے اصنام پرستی اور بتوں کی پوجا کی ظلمت محو ہوئی، قرآن اور برہان نے تمام شکوک وشبہات اور اوہام کو ملیامیٹ کر دیا، عمدہ اور نفیس گفت گو جس کی سمجھ میں نہ آئی اسے تلوار کی دھار نے سب کچھ ذہن نشین کرادیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی راہ میں پوری جدوجہد کرتے رہے، اللہ کے بندوں اور اس کی سرزمین پر اس کے دین کی نشر واشاعت میں اپنی توانائیاں صرف کرتے رہے، مدنی زندگی کے

دس سالوں میں آپ نے پلک جھپکنے کی دیر آرام نہ فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے حق پر ہونے کا یقین تھا، حق پر کار بند انسان ہمیشہ زبان، تلوار یا کسی اور طریقے سے حق کے پرچار میں مصروف رہتا ہے، تا آں کہ زمین بتوں کی پرستش سے پاک ہوگئی، ایمان کا نور چمکنے لگا، دنیا رب رحمٰن کی عبادت سے آباد ہوگئی، کفر و سرکشی رسوا ہوئی، ہر دور اور ہر مقام کے معاندین کی تمام تر کوششیں اور جتھہ بندیاں اللہ کے دین کو مٹانے اور اس کے نور کو بجھانے میں ناکام و نامراد رہیں، ارشادِ الٰہی ہے:

وَيَأْبَى اللّٰهُ إِلَّآ أَنْ يُتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۳۲﴾ هُوَ الَّذِيْٓ أَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ (۲۸)

مگر اللہ اپنی روشنی کو مکمل کیے بغیر ماننے والا نہیں خواہ کافروں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔ وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے خواہ مشرکوں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔

لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہوئے، بہ کثرت سرایا ہوئے جن کی تعداد ساٹھ کے قریب رہی، اور ستائیس غزوات، جن میں سے نو غزوات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفس نفیس لڑائی میں حصہ لیا، اس دور کے عظیم قائدین جنگوں میں آپ کے قائدانہ کردار، حسن تدبیر، جنگی تدابیر، مکمل نظم و ضبط کو باعث فخر قرار دیتے ہیں، صحابہ کرام نے ان جنگوں میں آپ سے اپنی بے لوث محبت اور دلی الفت کے بے نظیر نمونہ پیش کیے۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر اور دیگر غزوات کے آئینے میں اس حُسن عالم تاب کے مناظر سے لطف اندوز ہوں۔

غزوہ بدر الکبریٰ

غزوۂ بدر کے بارے میں غور کریں، اللہ کی نصر مبین ملاحظہ کریں، اللہ تعالیٰ نے اپنی مکمل تائید و اعانت سے قلت کے باوجود مسلمانوں کو فتح یاب اور مشرکوں کو کثرت کے باوجود ذلیل و رسوا کیا، ان کی لوہے کی زرہیں، مکمل تیاری، فربہ گھوڑے اور تکبر و خود پسندی مستزاد، ایک ہزار جنگ جو، سو گھوڑے اور سات سو اونٹ، مسلمانوں کی تعداد چار سو سے بھی کم، سواری کے لیے صرف تین گھوڑے اور ستر اونٹ، مسلمانوں کی قلت مشرکوں سے مقابلے میں رکاوٹ نہ بنی، بل کہ مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس چیز کا حکم فرمایا ہے وہ کر گزریے، ہم

آپ کے ساتھ ہیں، بہ خدا! ہم آپ سے ویسی بات نہیں کہیں گے جیسی بات بنو اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ:

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ (۲۹)

بس تم اور تمہارا رب دونوں جاؤ اور لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں۔

بل کہ آپ اور آپ کا رب جنگ کریں ہم بھی آپ کے ساتھ رہیں گے، قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اگر آپ ہمیں برک الغماد (حبشہ کا ایک شہر) تک لے جائیں ہم آپ کی معیت میں وہاں تک لڑتے ہوئے چلے جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے دعائے خیر فرمائی، پھر سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم آپ پر ایمان لائے، آپ کی تصدیق کی اور اس بات کی گواہی دی کہ آپ حق لے کر آئے ہیں، ہم نے آپ کی بات سننے اور ماننے کا عہد اور وعدہ کیا ہے یا رسول اللہ! اپنا ارادہ پورا فرمائیں، قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے اگر آپ ہمیں ساتھ لے کر اس سمندر تک جائیں اور خود اس میں داخل ہو جائیں تو ہم بھی آپ کے ساتھ داخل ہو جائیں گے اور ہم میں سے ایک شخص بھی پیچھے نہیں رہے گا، ہم اس بات کو ناپسند نہیں کرتے کہ ہم اپنے دشمن کا مقابلہ کریں، ہم میدان جنگ میں صبر کرنے والے ہیں، دشمن سے مڈبھیڑ میں ہم سچے ہیں، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے آپ کو وہ کچھ دکھائے گا جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی، آپ اللہ تعالیٰ کی برکت سے ہمیں ساتھ لے کر آگے بڑھیں۔

سعد رضی اللہ کی گفت گو سے نبی کریم ﷺ کو بہت خوشی ہوئی۔ پھر آپ نے فرمایا: اللہ کی برکت سے آگے بڑھو، تمہیں خوش خبری ہو، اللہ تعالیٰ نے مجھ سے دو میں سے ایک گروہ کا وعدہ فرمایا ہے، بہ خدا میں گویا اس وقت قوم کے پچھڑنے کی جگہیں دیکھ رہا ہوں، آپ نے مشرکوں کے مقتول ہو کر گرنے کی جگہوں کی نشان دہی فرمادی، اور کوئی مشرک اس جگہ سے ادھر ادھر نہ گرا، دونوں لشکر باہم مقابل ہوئے، یہ نہایت خطرناک دن تھا، قریش مصیبت میں گھر گئے، بری طرح شکست سے دوچار ہوئے، ابوجہل اور قریش کے دوسرے سرغنے میدان جنگ میں کام آ گئے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ

الْمَلٰٓىِٕكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ (۳۰)

اس سے پہلے جنگ بدر میں اللہ تمہاری مدد کر چکا تھا حال آں کہ اس وقت تم بہت کم زور تھے، لہٰذا تم کو چاہئے کہ اللہ کی ناشکری سے بچو، اُمید ہے کہ اب تم شکر گزار بنو گے۔ یاد کریں جب آپ مومنوں سے کہہ رہے تھے کیا تمہارے لیے یہ بات کافی نہیں کہ اللہ تین ہزار فرشتے اتار کر تمہاری مدد کرے گا؟ بے شک اگر تم صبر کرو اور خدا سے ڈرتے ہوئے کام کرو تو جس آن دشمن تمہارے اوپر چڑھ کر آئیں گے اُسی آن تمہارا رب (تین ہزار نہیں) پانچ ہزار صاحبِ نشان فرشتوں سے تمہارے مدد کرے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اسلام اور مسلمانوں کو عزت بخشی، مسلمان اس عظیم نصرت کے بعد خوش خوش مدینہ طیبہ واپس آئے، ان آیات میں اللہ عزوجل نے مسلمانوں پر اپنے اس بے پایاں احسان کا ذکر فرمایا ہے۔

غزوۂ بدر کے علاوہ دیگر تمام غزوات دشمنوں کی رسوائی، کلمۂ اسلام کی سربلندی اور لشکر اسلام کی عزت افزائی کے علاوہ واضح معجزات تھے، غزوۂ خندق پر نظر ڈالیں، مسلمانوں کو کس قدر عظیم تائید اور زبردست کام یابی سے نوازا گیا، حال آں کہ ان کی تعداد تین ہزار سے زیادہ نہ تھی اور حملہ آور لشکر دس ہزار افراد پر مشتمل تھا، دشمن اوپر سے اور نیچے سے ان پر چڑھ آئے تھے، یہاں تک کہ خوف کے مارے آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے، اور لوگ اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو خندق کھودنے کا حکم دیا اور اپنے لشکر میں سے پانچ سو سپاہیوں کو مدینہ منورہ کی حفاظت پر روانہ فرمایا تاکہ عورتوں اور بچوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے، دشمن ہر جانب اور ہر سمت سے چڑھ آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر رات کے وقت شدید آندھی مسلط کر دی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿۹﴾ (۳۱)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو یاد کرو اللہ کے احسان کو جو اس نے تم پر کیا ہے جب لشکر تم پر چڑھ آئے تو ہم نے اُن پر ایک سخت آندھی بھیج دی اور ایسی فوجیں روانہ کیں جو تم کو نظر نہ

آتی تھیں، اللہ وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا جو تم لوگ اس وقت کر رہے تھے۔

دشمن پسپا ہو کر بھاگ گئے، افراتفری میں فرار ہوئے، یہ طاقت ور لشکر اپنی کثرت کے باوجود کم زور مسلمانوں پر غالب نہ آسکا، خندق کی کھدائی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعدد معجزات بھی رونما ہوئے۔ اب ایک نظر غزوۂ فتح پر ڈالتے ہیں۔

غزوۂ فتح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلامی دستوں اور اللہ کے لشکریوں کو ساز و سامان سے لیس کیا اور فرمایا: آج کے دن اللہ تعالیٰ کعبہ کو عظمت عطا فرمائے گا اور آج کعبہ کو لباس پہنایا جائے گا، آپ نے مکہ کے اردگرد رہائش پذیر قبائل کی طرف مجاہد روانہ فرمائے اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور ان کے ہمراہی دستے کو اس نصیحت کے ساتھ مکہ کے زیریں علاقہ سے شہر میں داخل ہونے کا حکم دیا کہ لڑنے والوں کے علاوہ کسی سے جنگ نہ کریں، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکے کے بالائی علاقہ سے شہر میں داخل ہوئے، قریش کے لوگوں نے خالد رضی اللہ عنہ کے راستے میں مزاحمت کی تو انہوں ان سے مقابلہ کیا اور انہیں مار بھگایا، مسجد حرام کے دروازے تک ان سے جنگ ہوتی رہی، پھر بعض لوگ بھاگ کر اپنے گھروں میں چلے گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خالد رضی اللہ عنہ سے پوچھا: جب میں نے تمہیں جنگ کرنے سے روکا تھا تم نے جنگ کیوں کی؟ وہ عرض گزار ہوئے: انہوں نے خود جنگ چھیڑی تھی میں نے تو ہاتھ روکنے کی ہر ممکن کوشش کی، آپ نے یہ سن کر فرمایا: قضائے الٰہی بہتر ہے، پھر آپ نے اللہ کی بارگاہ میں اس فتح مبین کے شکر کے طور پر بہ طور تواضع سر مبارک اتنا جھکا دیا کہ آپ کا سر پالان کو مَس کرنے لگا، یہ اللہ تعالیٰ کے حضور شکر کا اظہار تھا کہ اس نے آپ کے لیے اس شہر کی حرمت کو اٹھالیا تھا حال آں کہ آپ سے قبل اور آپ کے بعد یہ اعزاز کسی کو نہیں ملا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل مکہ کو امن دے دیا اور ابوسفیان کے اسلام قبول کرنے کے بعد اسے حکم دیا کہ وہ قریش میں اعلان کر دیں جو شخص مسجد میں داخل ہو جائے گا اسے امن حاصل ہوگا، ابو سفیان کے گھر میں داخل ہونے والا اور اپنے گھر کا دروازہ بند کر لینے والا مامون ہوگا۔ چند اشخاص ایسے تھے کہ جن کے جرم کی وجہ سے ان کے قتل کا حکم دیا گیا، ان میں سے بعض قتل ہوئے اور بعض نے بعد میں اسلام قبول کر لیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبے میں داخل ہوئے اس کے اردگرد تین سو ساٹھ بت نصب

تھے، آپ ان کی طرف اشارہ کرتے اور فرماتے جاتے: حق آ گیا اور باطل مٹ گیا۔ (۳۲) حق آ گیا اور اب باطل کے کیے کچھ نہیں ہوسکتا۔ (۳۳) پھر آپ نے بتوں کو باہر نکالنے کا حکم دیا، اللہ تعالیٰ نے بیت الحرام کعبہ کو ان جھوٹے معبودوں سے پاک فرما دیا اور اللہ واحد وقہار کی عبادت شروع ہوئی، رسول اللہ ﷺ مقام ابراہیم کے پاس آئے، نماز پڑھی اور زمزم کا پانی نوش فرمایا، پھر بعد میں مسجد میں تشریف فرما ہوئے، لوگ منتظر تھے کہ آپ اپنے ان جانی دشمنوں مشرکین مکہ سے کیا سلوک کرتے ہیں، جنہوں نے آپ کو ہر طرح کی تکلیفیں پہنچائی تھیں، آپ کو وطن سے نکلنے پر مجبور کر دیا تھا، کئی مرتبہ آپ پر قاتلانہ حملے کیے اور آپ سے جنگیں کرتے رہے، آپ نے فرمایا: قریش کے لوگو! تمہارا کیا خیال ہے میں تمہارے ساتھ کیسا سلوک کروں گا؟ وہ بولے: اچھا سلوک، آپ مہربان بھائی اور مہربان بھائی کے بیٹے ہیں، آپ نے فرمایا: جاؤ، تم سب آزاد ہو، انہیں غلام بنایا گیا نہ قیدی، لوگ یہ سنتے ہی اسلام قبول کرنے لگے، مکہ کے تمام مردوں اور عورتوں نے اسلام پر بیعت کر لی۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے قبائل کے بتوں کے انہدام کے لیے متعدد مہمیں روانہ فرمائیں، بت خانے گرا دیے گئے، بتوں کو توڑ دیا گیا، معاملہ یہاں تک محدود نہ رہا بلکہ آپ نے علی رضی اللہ عنہ کی سالاری میں یمن کی طرف لشکر روانہ فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ جب وہاں پہنچ جاؤ انہیں لا الہ الا اللہ کی طرف بلاؤ، اگر وہ تسلیم کر لیں تو انہیں نماز کا حکم دو، اس کے علاوہ ان سے کوئی تقاضا نہ کرو، اگر اللہ تعالیٰ تمہارے سبب کسی ایک شخص کو ہدایت دے دے، یہ تمہارے لیے ہر اس چیز سے بہتر ہے جس پر سورج طلوع ہوا ہے، جب تک وہ تمہارے مقابلے میں نہ آئیں ان سے لڑائی نہ کرنا، یہ بھی فرمایا: جب تمہارے پاس دو شخص جھگڑا لے کر آئیں، جب تک دونوں کی بات نہ سن لو ان کے درمیان فیصلہ نہ کرنا، بعد میں حضور ﷺ نے اہل یمن کی تعلیم کے لیے معاذ بن جبل اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو روانہ فرمایا اور ان سے فرمایا: نرمی کرنا، سختی نہ کرنا، بشارت دینا متنفر نہ کرنا۔

ان واقعات میں غور کریں اور آپ کے باقی غزوات کا علیحدہ علیحدہ مطالعہ کریں، آپ کو ان غزوات میں حیرت انگیز نصرت و مدد، عظیم کام یابی، محکم نظم اور مستحکم تدابیر کی فراوانی نظر آئے گی، جیسے غزوہ خیبر ہے، یہود کی کثیر لڑاکا سپاہ، متعدد قلعے اور زرعی زمینیں اور باغات تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان سے مقابلہ کیا، انہوں نے سخت مزاحمت کی، آپ نے ایک کے بعد ایک ان کے تمام قلعے فتح فرما لیے، اسی طرح دوسرے غزوات ہیں۔

ملتِ حکیمہ ، امت عظیمہ اور عادل ورحیم مملکت کی تاسیس سے عظیم ترین کام یابی اور کیا ہوگی۔

فرانسیسی دانش ور گوستاف لوبون آپ کے بارے میں کہتا ہے تاریخ اہل عرب میں سے آپ سے بڑھ کر عادل اور رحیم فاتح سے واقف نہیں ہے۔

اس سے گراں قدر کام یابی اور کیا ہوسکتی ہے کہ اس دین کے ماننے والے جب حق اور عدل کا دامن تھام کر اٹھے دنیا پر چھا گئے۔ اللہ عز وجل آپ کو ہماری طرف سے اس سے بہترین جزا عطا فرمائے جتنی جزا کسی قوم کی طرف سے اس کے نبی علیہ السلام کو عطا ہوئی اور کسی امت کی جانب سے اس کے رسول علیہ السلام کو ملی۔

و صلی اللہ و بارک علیہ و علی اھل بیتہ الطاھرین و اکثر فی امتہ فی الناسجین علی منوالہ الی یوم الدین

حوالے

۱۔ الاحزاب:۲۱
۲۔ الرعد:۳۸،۳۹
۳۔ العنکبوت:۵۱
۴۔ الاعراف:۱۸۸
۵۔ الجمعہ:۲،۳
۶۔ الانبیا:۱۰۷
۷۔ الانعام:۵۰
۸۔ التوبہ:۲۴
۹۔ المائدہ:۲۴
۱۰۔ المزمل:۱تا۷
۱۱۔ النصر:۱تا۳
۱۲۔ المائدہ:۳
۱۳۔ التوبہ:۳۷
۱۴۔ متیٰ ۶:۱۶،۲۰۔مرموزا:۵۔۶،۱۶ص۳۷۰
۱۵۔ التوبہ:۳۳
۱۶۔ الحجر:۹۴
۱۷۔ الشعراء:۲۱۴
۱۸۔ اللھب:۱تا۴
۱۹۔ المائدہ:۸۲
۲۰۔ الفتح:۱۰
۲۱۔ بنی اسرائیل:۸۶
۲۲۔ آل عمران:۶۴
۲۳۔ المائدہ:۳

۲۴۔ آل عمران:۱۶۰

۲۵۔ الحج:۳۹

۲۶۔ البقرہ:۱۹۴

۲۷۔ الحجر:۹

۲۸۔ التوبہ:۳۲،۳۳

۲۹۔ المائدہ:۲۴

۳۰۔ آل عمران:۱۲۳ تا ۱۲۵

۳۱۔ الاحزاب:۹

۳۲۔ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۔ بنی اسرائیل:۸۱

۳۳۔ سبا:۴۹

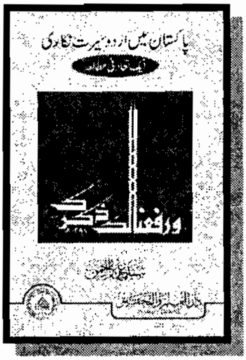

پاکستان میں
اردو سیرت نگاری

ایک تعارفی مطالعہ
۱۹۴۷ء۔۲۰۱۸ء

سید عزیز الرحمٰن

پاکستان میں اردو سیرت نگاری کے آغاز، اس کے ارتقا اور
ساٹھ سالہ دور میں لکھی جانے والی دو سو کے قریب اہم کتب اور مجلات کی
خاص اشاعتوں کا تعارف

اہتمام
دار العلم والتحقیق برائے اعلیٰ تعلیم و ٹیکنالوجی

ناشر
زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز
اے۔۴/۱۸، ناظم آباد نمبر ۴، کراچی۔۷۴۶۰۰، فون: ۳۶۶۸۴۷۹۰
info@rahet.org - www.rahet.org
zawwar academy publication
research academy for higher education & technology